وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

اسوۂ رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بلال عبد الحی حسنی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق نومبر ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	اسوۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف	:	بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۱۰۴
قیمت	:	Rs. 40/-

باہتمام : محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ ☆ مکتبہ السلام، گوائن روڈ، لکھنؤ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

دینِ رحمت

سراپا رحمت تعلیمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام الأتمان الأکملان علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین.

پیش نظر رسالہ حقیقت میں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ کی تشریح ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے، "کان خلقہ القرآن" (۱) اور یہ زندگی ہی انسانیت کے لیے نجات کا راستہ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو دنیا کی حالت تھی، آج اس سے ملتے جلتے حالات ہیں، اس کا حل صرف رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارکہ ہے، جو صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے انسانیت کے لیے راہبر ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۵۳۳۸

پیش نظر رسالہ میں پہلے دنیا کی حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے،(۱) اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ رحمت کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس میں ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے واقعات ہیں، پھر دین رحمت کی ایک جھلک ہے اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات اور ہدایات کا بیان ہے جو سراپا رحمت ہیں۔

دنیا کے پرتشدد ماحول میں ان سراپا رحمت تعلیمات کی ضرورت ہر پڑھنے والا محسوس کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ہم سب کے دلوں میں اتارے اور اس کا عکس ہمیں نصیب فرمائے۔

کتاب کی کمپوزنگ، مراجعت اور تصحیح کا بیڑا عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے اٹھایا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائے، اور اس کام کو بھی تمام شریک ہونے والوں کے لیے قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین.

بلال عبدالحی حسنی ندوی
۱۳/صفر المظفر ۱۴۳۷ھ
مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات، رائے بریلی

(۱) یہ پوری تفصیل ''نبی رحمت'' (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) سے ماخوذ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی حالت

حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کو ساڑھے پانچ سو سال گذر چکے تھے، دنیا کی قومیں شتر بے مہار تھیں، انسانیت لگتا تھا کہ دم توڑ دے گی، انسان اپنی خواہشات کے آگے مجبور تھا، رسم و رواج کی غلامی سے نکلنا اس کے لیے ممکن نظر نہ آتا تھا، لگتا تھا کہ دنیا کی گاڑی ایک ایسی ڈھلوان پر پڑ گئی ہے کہ شاید اب سنبھل نہ سکے گی، مگر اس بھری دنیا میں کوئی ایسا ستارہ نظر نہ آتا تھا کہ چلنے والے کو صحیح سمت معلوم ہو سکے، دنیا کے مذاہب اپنی شکل کھو چکے تھے، اگر ان مذاہب کے اولین بانی و علم بردار حضرات انبیاء کرام علیہم السلام دوبارہ آکر اس حالت کو دیکھتے تو پہچاننے سے انکار کر دیتے اور اپنی طرف ان کا انتساب ہرگز گوارہ نہ کرتے۔

یہودی مذہب چند بے جان رسموں کا مجموعہ تھا، جن میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی، وہ ایک نسلی مذہب بن کر رہ گیا تھا، اس کے پاس دنیا کے

لیے کوئی پیغام اور اقوام عالم کے لیے کوئی دعوت اور انسانیت کے لیے چارہ سازی اور مسیحائی کا کوئی سامان نہ تھا، عیسائیت اپنے دور اول ہی سے سینٹ پال کی تحریف کا شکار ہو چکی تھی، رومی نصرانیوں کی بت پرستی اس کے رگ و ریشہ میں گھس چکی تھی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی سادہ تعلیمات اس مشرکانہ ملبے کے نیچے دفن ہو چکی تھیں، مجوسیت کی چند رسموں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں تھی، ان رسموں کی ادائیگی کے بعد وہ قوم بالکل آزاد تھی، اپنی خواہش کے مطابق وہ زندگی گذارتے، ان میں اور ایک ضمیر فروش، بے کردار شخص کی زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا تھا، بودھ مذہب ایک ایسے بت پرستانہ مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا کہ بت اس کے جلو میں چلتے تھے، جہاں اس کا پڑاؤ ہوتا وہیں گوتم بدھ کی مورتی نصب کی جاتی، زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہ گیا تھا، جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے وہ دیوی دیوتاؤں کی کثرت میں سب سے آگے تھا، اس وقت معبودوں کی تعداد تینتیس (۳۳) کروڑ بتائی جاتی ہے، غرض ہر نفع یا نقصان پہنچانے والی چیز ان کے نزدیک پوجنے کے لائق تھی، جہاں تک عربوں کا تعلق ہے جن کو نسبت ابراہیمی کا دعوی تھا، وہ انتہائی گھٹیا قسم کی بت پرستی میں مبتلا تھے۔

اس دور میں دنیا کی دو بڑی طاقتیں سمجھی جاتی تھیں، ایک رومن امپائر

(روم) اور دوسری پرسچین امپائر (ایران) لیکن یہ دونوں حکومتیں انتہائی انسانی زوال کا شکار تھیں، اخلاق و کردار کے نام مٹ چکے تھے، ان کا کام صرف کسی نہ کسی طریقہ پر مال جمع کرنا، پھر عیش و عشرت میں اس کو صرف کرنا تھا، عیش پرستی میں وہ اتنا آگے بڑھ چکے تھے کہ اس کی سرحدیں درندگی اور بربریت تک پہنچ چکی تھیں، اعلیٰ قسم کی دعوتوں میں وہ کسی غلام کو پکڑ کر کسی ستون میں باندھ دیتے اور پھر اس کی روشنی میں کھانا کھاتے اور بربریت کی انتہاء یہ ہے کہ جب وہ جل کر دم توڑنے لگتا تو یہ ان کے لیے سب سے قیمتی وقت (Peak Time) ہوتا، اس کو دیکھنے کے لیے وہ ٹوٹے پڑتے تھے، ان کی غلامانہ ذہنیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

"جب اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں ایران کا آخری تاجدار یزدگرد اپنے دارالحکومت مدائن سے فرار ہوا تو اس حالت میں بھی اس کے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار مغنی، ایک ہزار چیتوں کے منتظم اور ایک ہزار شکروں کی دیکھ بھال کرنے والے اور خدم و حشم اور مصاحبین کی ایک بڑی تعداد تھی، اتنے بڑے لاؤ لشکر کے باوجود بھی وہ اس تعداد کو کم اور خود کو ایک انتہائی معمولی اور حقیر پناہ گزیں سمجھتا تھا، وہ محسوس کرتا تھا کہ مصاحبین و ملازمین کی

تعداد اور تعیش و تفریح کے سامان کی کمی کے باعث اس کی حالت انتہائی قابل رحم ہے۔(۱)

اسی غلامانہ ذہنیت کا واقعہ یہ بھی ہے کہ دوران سفر اس کو پیاس لگی، مٹی کے آبخورے میں جب اس کو پانی پیش کیا گیا تو بولا کہ "میں ہمیشہ سونے، چاندی کے برتنوں میں پانی پینے کا عادی رہا ہوں، میں مر جاؤں گا، لیکن اس میں پانی نہیں پی سکتا"۔

ارباب حکومت کی اس انتہائی اور تعیشانہ زندگی کے ساتھ وہاں کے عوام کا حال کیا تھا؟ اس کا کچھ اندازہ ذیل کی عبارت سے لگایا جا سکتا ہے:

دوسری طرف غریب عوام سخت مفلوک الحال اور مصیبت زدہ تھے، اور اپنی قسمت کو روتے تھے، ان کو جسم و جان کا رشتہ باقی رکھنے کے لیے بھی سخت جد و جہد کرنی پڑتی تھی، مختلف قسم کے ٹیکسوں، طرح طرح کی بندشوں اور بیڑیوں نے ان کی زندگی کو عذاب جان بنا دیا تھا، اور وہ مویشیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے، اس مصیبت سے تنگ آ کر اور ان ٹیکسوں اور لازمی فوجی بھرتی سے عاجز ہو کر بہت سے کسانوں نے اپنے کھیتوں کو خیر باد

(۱) ماخوذ از: نبی رحمت، ص: ۵۰-۵۱

کہہ دیا اور راہبوں کی خانقاہوں اور معبدوں میں پناہ لی، وہ مشرقی ساسانی سلطنت اور مغربی بازنطینی سلطنت کی طویل وخون آشام جنگوں میں (جو تاریخ کے مختلف وقفوں میں ہوتی رہیں، اور جن میں نہ عوام کی کوئی مصلحت اور نہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی تھی) حقیر ایندھن کی طرح کام آتے رہے''۔(۱)

یورپین قومیں اس وقت جہالت کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھیں، وہ خونریز جنگوں میں مشغول تھے، ان کے جسم گندے اور دماغ اوہام و خرافات سے بھرے ہوئے تھے، کوئی بیمار ہوتا تو علاج کی کوئی تدبیر ان کے پاس نہ تھی، اس کو جنگل میں ڈال آتے کہ اچھا ہوتا ہے تو ہو جائے گا ورنہ وہیں مرجائے گا، ان کے یہاں یہ طے نہ تھا کہ عورت انسان ہے یا حیوان، بریفالٹ یورپ کے اس دور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ

(۱) نبی رحمت، ص:۵۱

زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن
کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ
رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک
جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی
ترقی کو پہنچ گیا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف
الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا"۔(۱)

ہندوستان جو قدیم زمانہ میں ریاضیات، فلکیات اور طب وفلسفہ میں ایک نام پیدا کر چکا تھا، چھٹی صدی عیسوی کا آغاز اس کے بدترین دور کا آغاز تھا، اس کی عبادت گاہیں بھی عیاشی سے پاک نہ تھیں اور نہ ان کو عیب کی بات سمجھا جاتا تھا، عورت کا کوئی احترام نہ تھا، شوہر کے مرنے کے بعد اس کی زندگی حیوان سے بدتر تھی، اس لیے شریف خاندانوں میں شوہر کے مرنے کے بعد ستی ہو جانے کا رواج تھا، طبقاتی اونچ نیچ انتہاء پر تھی، شودر، اچھوت سمجھے جاتے تھے، نہ وہ کچھ کما سکتے تھے، نہ جمع کر سکتے تھے، نہ کسی اونچی ذات والے کے پاس بیٹھ سکتے تھے، نہ ان کو چھو سکتے تھے، نہ مقدس کتابوں کا پڑھنا ان کے لیے جائز تھا، پورا ملک انتشار کا شکار تھا، اور ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا، اس میں سینکڑوں حکومتیں تھیں، جو آپس

(۱) نبی رحمت، ص:۵۶

میں برسر پیکار رہا کرتی تھیں۔

اس وقت عرب دنیا کے سڑے ہوئے تمدن سے گرچہ دور تھے، مگر ان کا اخلاقی نظام پوری طرح بگڑ چکا تھا، وہ شراب اور جوئے کے رسیا تھے، ان کی سنگ دلی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ صرف عار کے ڈر سے لڑکیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیا کرتے تھے، عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت نہیں تھی، قبائلی اور نسلی، خاندانی اور خونی عصبیت ان کی گھٹی میں پڑی تھی، بات بات پر جھگڑے کرنا اور معاملہ جنگ تک پہنچ جانا عام بات تھی، حالی نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
کبھی پانی پینے، پلانے پہ جھگڑا
یوں ہوتی رہتی تھی تکرار ان میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

ایک معمولی واقعہ اکثر بڑی طویل اور خونریز جنگوں کا سبب بن جاتا تھا، بعض بعض جنگوں کا سلسلہ چالیس سال چلا اور ہزاروں آدمی اس میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

حاصل یہ کہ یہ تاریخ کا بدترین دور تھا اور انسانیت کے مستقبل اور اس کی بقا و ترقی کے لحاظ سے انتہائی تاریک اور مایوس کن، ایک حدیث میں

آتا ہے کہ:

”ان الله نظر الی أهل الأرض فمقتهم، عربهم وعجمهم الا بقايا من أهل الكتاب“ (اللہ نے زمین پر نگاہ فرمائی تو انتہائی ناراض ہوا، عربوں اور عجمیوں پر، سوائے کچھ اہل کتاب کے).(۱)

لیکن اس ارحم الراحمین نے انسانوں کی حالت زار پر رحم فرمایا، اور دنیائے انسانیت کی کشتی کو پار لگانے کے لیے اور انسانوں کو ہر طرح کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی میں لانے کے لیے اس نے اپنے آخری اور محبوب نبی خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔

(۱) صحیح مسلم: ۲۸۶۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں درد و محبت رکھنے والے بہت آئے، رحمت و عطا کا پیام دینے والے بھی آئے، وہ بھی آئے جنہوں نے دلوں میں گداز پیدا کیا، مزاجوں میں نرمی پیدا کی، اور لوگوں کو جوڑنے کا کام کیا، اپنے اپنے وقت میں وہ زخموں کا مرہم اور ٹوٹے ہوئے دلوں کا مداوا بن کر آئے، مگر ایک وہ آیا جو آیا تو انسانیت کا چمن لہلہانے لگا، محبت کے پھول کھلنے لگے، دنیا میں بہار آگئی، وہ آیا تو رحمت دو عالم بن کر آیا۔

گلستان جہاں میں پھول تو پہلے بھی کھلتے تھے
قدم جب آپ کے آئے بہاروں پر بہار آئی

دنیائے انسانیت کیا، اپنے اور پرائے کیا، دوست اور دشمن کیا، اس کی رحمت کی بارش کیا ہوئی، دنیا جہان کی سوکھی ہوئی کھیتی لہلہا اٹھی، مردہ دلوں میں جان پڑ گئی، لبوں پر مسکراہٹ کھلنے لگی۔

غریبوں کا ملجا یتیموں کا والی
خطا کار سے درگزر کرنے والا

اس کی رحمت کا دائرہ صرف عالم انسانیت تک محدود نہیں، تمام عالموں کے لیے وہ رحمت مجسم تھا جس کی گواہی ارحم الراحمین نے دی اور فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾(الأنبیاء: ۲۱) (اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

وہ ارحم الراحمین کی رحمت کا عکس تھا، جس کی رحمت کے آگے ظلم وستم کے پہاڑ گرد ہو گئے، سخت سے سخت دل آئے اور موم بن کر پلٹے، ارشاد ربانی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) (بس اللہ ہی کی رحمت تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ نرمی فرمائی اور اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے کب کے منتشر ہو گئے ہوتے بس آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیے پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

یہ اسی رحمت عامہ کا نتیجہ تھا کہ حبش کے بلالؓ، فارس کے سلمانؓ اور روم کے صہیبؓ آپ کے فدائی تھے، حضرت زید حارثہ غلام بن کر آئے اور محبؓ و محبوب بن گئے، والدان کو لینے کے لیے آئے تو آپ کی رحمت و محبت چھوڑ کر ان کو جانا گوارہ نہ ہوا۔

مزاج کی نرمی

یہ آپ کے سراپا رحمت مزاج ہی کا نتیجہ تھا کہ لوگ آپ ﷺ کو مشورہ دے رہے ہیں اور آپ ﷺ مزاج کے خلاف بھی مشورہ قبول فرما رہے ہیں، غزوۂ احد اس کی یادگار ہے، آپ ﷺ نو خیز، نوعمر صحابہ کے مشورہ سے ہی نکلے ورنہ آپ کی نکلنے کی رائے نہ تھی، جب ان حضرات کو اپنے مشورہ پر ندامت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہتھیار باندھ کر واپس ہونا نبی کا کام نہیں، یہ آپ کے مزاج کی انتہائی ملاطفت کی بات تھی کہ ایک غلام بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر مشورہ کے لیے لے جاتا اور جب تک چاہتا آپ سے مشورہ کرتا، یہ آپ کی انتہائی نرمی تھی کہ کھانے کے بعد لوگ بیٹھے ہیں آپ تکلف محسوس کرتے ہیں مگر اس لیے اٹھنے کو نہیں کہتے کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان حضرات کو حکم فرمایا:

﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا﴾ (الأحزاب: ۵۳) (پھر جب کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے ہیں ایک بوڑھی آپ پر کوڑا پھینکتی ہے، برا بھلا کہتی ہے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کوڑا نظر آیا اور نہ اس کی آواز سنائی دی معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ کی رحمت کو دیکھ کر اس کا دل پگھل گیا، اس نے اپنی شرمندگی ظاہر کی۔

اور اس نے کلمہ پڑھ لیا

تاریخ میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ ایک بوڑھی خاتون جس کے کان بھرے گئے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن ہوگئی، اور ایک دن مکہ مکرمہ سے کسی دوسرے علاقہ میں ہجرت کی غرض سے نکلی، سامان ساتھ تھا کوئی اٹھانے والا مل نہیں رہا تھا اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: اماں! میں تمہارا سامان پہنچا دیتا ہوں، آپ سامان لے کر چلے وہ ساتھ ساتھ چلی، اور اس کی زبان بھی چلنے لگی، وہ کہتی جاتی تھی کہ بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کا ایک شخص ہے تم اس کے فریب میں مت آجانا، وہ دوستوں کو جدا کر دیتا ہے، خاندان میں انتشار پیدا کر دیتا ہے، آپ خاموش سنتے رہے، جب سامان پہنچا دیا تو صرف یہ فرمایا کہ میں ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، یہ سنتے ہی اس کے چہرہ پر ندامت کے آثار ظاہر ہوئے اور اسی وقت اس نے کلمہ پڑھ لیا۔

پھر حضور سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ رہا

آپ طواف فرمارہے ہیں ایک شخص آپ کے قریب ہی طواف کررہا ہے، اس نے نیزہ زہر میں بجھا رکھا ہے، وہ موقع کی تلاش میں ہے، آپ کو وحی سے معلوم ہوجاتا ہے آپ اس کا نام لے کر پوچھتے ہیں:

"کیا فضالہ آتا ہے؟

فضالہ: ہاں!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کررہے تھے؟

فضالہ نے کہا: کچھ نہیں، میں تو اللہ اللہ کررہا تھا"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: "اچھا تم اپنے خدا سے اپنے لیے معافی کی درخواست کرو"، یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے اطمینانِ قلب حاصل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا"۔(۱)

(۱) سیرت رسول اکرم، ص:۲۵۹

لوگوں کو جنت کے راستہ کی طرف لانا چاہتے ہیں، ایک ایک انسان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کڑھتا ہے، کہ کہیں یہ جہنم کا کندہ نہ بن جائے، ایک ایک فرد کو سمجھاتے ہیں، اس کے لیے بازاروں میں تشریف لے جاتے ہیں، حج کے موسم میں قافلے والوں سے ملاقات کرتے ہیں، اور صحیح راستہ پر لانے کی کوشش فرماتے ہیں، عجیب وارفتگی کا عالم ہے ایک ایک شخص سے فرماتے ہیں تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کو معبود مان لو، بس یہی کامیابی کا راستہ ہے، دل کا حال یہ ہے کہ لگتا ہے اس غم میں جان نکل جائے گی، کہ لوگ جنت کے راستہ پر نہیں آتے، اللہ تعالیٰ آپ کی اس کیفیت کو بیان فرماتا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً﴾ (الکہف:٦) (اگر انھوں نے یہ بات نہ مانی تو لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلکان کردیں گے)

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (الشعراء:٣) (شاید آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے)

ان کی نسلیں ایمان لائیں گی

طائف سرسبز وشاداب شہر ہے، مکہ کے پڑوس میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اس خیال سے طائف تشریف لے جاتے ہیں کہ شاید وہاں کے لوگ صحیح راستہ پر آجائیں، اور اپنی کی کامیابی کا سامان کرلیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہیں، آپ پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے مشقت سے بھرا ہوا سفر پورا کرتے ہیں اور سرداروں سے ملاقات کرکے ان کو اس امید میں پیغام حق سناتے ہیں کہ شاید ان کے دل میں بات اتر جائے مگر بجائے اس کے کہ کم از کم ایک نووارد مہمان کی بات نہ مانتے تو اس کی کچھ خاطر مدارات کرتے، وہ بدترین طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، اوباشوں اور لفنگوں کو لگادیتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے رہے ہیں اور پتھر مار رہے ہیں، آپ کے تن مبارک سے لہو جاری ہوجاتا ہے، اسی اثناء میں ایک فرشتہ اللہ کے حکم سے آکر کہتا ہے کہ آپ فرمائیں تو ان گستاخوں کو پیس کر رکھ دیا جائے اور آبادی کے دونوں طرف کے پہاڑوں کو اللہ کے حکم سے ملادیا جائے، مگر صدقہ اس رحمت مجسم کے آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ ہوتے ہیں، نہیں نہیں، یہ اگر ایمان نہیں لائے تو کیا، ان کی آنے والی نسلیں ایمان میں داخل ہوں گی، مکہ مکرمہ کی پوری زندگی کیسی سخت آزمائشوں میں گزری، کس کس طرح ستایا گیا، لیکن کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا نہیں فرمائی۔(۱)

(۱) ملخص از: زاد المعاد، ج:۳/۳۱

اور آپ نے پروانہ امن لکھ دیا

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا سفر ہے، آپ کے دشمن آپ کے پیچھے لگے ہیں، سراقہ ڈھونڈتا ہوا پہنچ جاتا ہے، لیکن اس کے گھوڑے کے پاؤں اللہ کے حکم سے دھنس جاتے ہیں، وہ اپنا ارادہ بدلتا ہے، یک بیک پاؤں ریت سے باہر آجاتے ہیں، سو اونٹوں کا انعام معمولی نہیں، نیت پھر بدلتی ہے، اور برے ارادہ سے وہ آگے بڑھتا ہے، تو پھر پاؤں دھنسا دیئے جاتے ہیں، بالآخر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ طلب کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہی نہیں کہ اس شخص کو معاف فرما دیتے ہیں جو آپ کے قتل کے لیے آیا ہے بلکہ اس کی خواہش پر اس کے لیے امن کا فرمان بھی لکھوا دیتے ہیں۔ (۱)

ساقی کوثر کا فیض عام ہے

بدر کا معرکہ اسلام میں خاص اہمیت رکھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف تین سو تیرہ صحابہ ہیں اور سامنے مشرکوں کا مسلح لشکر ہے، مسلمانوں نے حضرت حباب بن منذر کے مشورہ سے چشموں پر قبضہ کر رکھا ہے لیکن ساقی کوثر کا فیض عام ہے، دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت ہے۔

بدر کے قیدی لائے جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرماتے ہیں کہ ان کو

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح البخاری: ۳۹۰۶

آرام کے ساتھ رکھا جائے:

"اسیران جنگ دو دو چار چار صحابہ کرام کو تقسیم کر دیئے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں، صحابہ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے، جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے، ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس کر دیتے، یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے"۔(۱)

اے اللہ! میری قوم کو بخش دے یہ جانتے نہیں

غزوۂ احد میں مشرکین آپ ﷺ تک پہنچ جاتے ہیں، اور آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو زخمی کر دیتے ہیں، آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو جاتا ہے، وہ بے درد رحمت عالم ﷺ پر تیر برسا رہے ہیں اور

(۱) سیرت رسول اکرم، ص:۱۳۶-۱۳۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:

"رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون". (۱)(اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے یہ جانتے نہیں)

جنگ کے اختتام پر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ کاش آپ مشرکوں کے لیے بددعا فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان اللّٰہ تعالی لم یبعثنی طعانا ولا لعانا، ولکن بعثنی داعیا ورحمة، اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون" (۲)

(میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا مجھے خدا کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنایا گیا ہے، اے خدا! میری قوم کو ہدایت فرما، کیونکہ وہ مجھے جانتے نہیں)

غلہ بدستور جانے دیں

حضرت ثمامہ نے اسلام قبول کیا وہ ملک یمامہ کے باشندے تھے، اسلام قبول کر کے وہ عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ پہنچے، وہاں کے ایک شخص نے پوچھا کیو تم بددین ہو گئے؟ حضرت ثمامہ نے کہا: نہیں، میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں، اور اسلام قبول کیا، اب یاد رکھنا ملک یمامہ سے تمہارے پاس ایک دانہ گندم بھی نہیں آئے گا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہ ہوگی۔ (۳)

"حضرت ثمامہ نے اپنے ملک پہنچتے ہی مکہ کی طرف

(۱) بخاری: ۶۹۲۹ (۲) شعب الایمان: ۱۳۷۵ (۳) بخاری: ۴۳۷۲

آنے والا اناج بند کردیا، غلہ کی آمد کے رک جانے سے اہل مکہ بلبلا اٹھے اور آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے التجا کرنی پڑتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ غلہ بدستور جانے دیں، (ان دنوں اہل مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے) اس قصہ سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں کر ایک شخص کی جان بخشی فرمائی جو خود بھی اپنے آپ کو واجب القتل سمجھتا تھا اور نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ حالات اور اخلاق کا کیسا اثر لوگوں پر پڑتا تھا کہ ثمامہ جیسا شخص جو اسلام اور مدینہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت وعداوت رکھتا تھا، تین روز کے بعد بخوشی خود مسلمان ہوگیا تھا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی اور طینت کی پاکی اور رحم دلی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مکہ کے جن کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالا تھا اور بدر، احد، خندق میں اب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے تباہ و برباد کرنے کے لیے ساری طاقت صرف کرچکے تھے، ان کے لیے رحمۃ للعالمین یہ پسند نہیں فرماتے کہ ان کا غلہ روک دیا جائے، اور ان کو تنگ وذلیل کرکے اپنا فرماں بردار بنایا جائے"۔(۱)

(۱) سیرت رسول اکرم، ص: ۱۹۴-۱۹۵

اور آپ نے معاف کردیا

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا، اور اس کا طریقہ اختیار کیا کہ لوگوں سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا گوشت زیادہ مرغوب ہے؟ جب اس کو پتہ چلا کہ دست کا گوشت مرغوب ہے، تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنی ہوئی بکری پیش کی، اور دست میں خوب زہر ملا دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ لینا چاہا تو اللہ کی طرف سے آپ کو اطلاع دے دی گئی کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے دریافت فرمایا تو انہوں نے اعتراف کرلیا عورت کو حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ میں نے مار ڈالنے ہی کے لیے زہر ملایا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کردیا۔(۱)

دلوں کی فتح

فتح مکہ کے موقع پر جگہ جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے جلوے نظر آتے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہی وہ واقعہ بنا جس نے آپ کے دردمند اور انسانیت نواز دل کو تڑپا دیا، سیرت نگار لکھتے ہیں:

"۶ھ میں جو معاہدہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقام حدیبیہ کیا تھا، اس کی ایک دفعہ میں یہ تھا کہ دس سال جنگ

(۱) ملخص از: صحیح البخاری: ۳۱۶۹

نہ ہوگی، اس شرط میں جو قومیں نبی ﷺ کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں اور جو قریش کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں۔

اس کے موافق بنی خزاعہ نبی ﷺ کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے، معاہدہ کو ابھی دو برس بھی نہ پورے ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، اور قریش نے بھی اسلحہ سے امداد دی، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، (معاہدہ پر اسی نے دستخط کئے تھے) صفوان بن امیہ (مشہور سرداران قریش) خود بھی نقاب پوش ہو کر مع اپنے حوالی وموالی بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے، ان بے چاروں نے امان بھی مانگی، بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ لی مگر ان کو ہر جگہ بے دریغ تہہ تیغ کیا گیا، جب یہ مظلوم "اِلٰهَكَ اِلٰهَكَ" (اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے "لَا اِلٰهَ الْيَوْمَ" (آج خدا کوئی چیز نہیں) مظلوموں کے بچے کچے چالیس آدمی جنہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی مظلومی و بربادی کی داستان سنائی"۔(۱)

(۱) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۲۳-۲۲۴

ان واقعات کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، معاہدے کی پابندی، فریق مظلوم کی دادرسی، دوستدار قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔

رحمت عامہ

"راہ میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابوامیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ایذائیں دی تھیں، اور اسلام کے مٹانے میں بڑی کوششیں کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور رخ پھیر لیا، ام المومنین ام سلمہ نے عرض کی:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے، اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسف نے معافی کی درخواست کی تھی، تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر انہیں الفاظ کا استعمال کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم

سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہوجاؤ گے۔

انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر یہ آیت پڑھی: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾ (یوسف: ۹۱) (انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ ہی نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم ہی خطا کار ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

"لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين". (۱)(۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی اور امن وحفاظت کا دائرہ اس روز وسیع فرمادیا کہ اہل مکہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہوسکتا تھا جو خود معافی اور سلامتی کا خواہش مند نہ ہو، اور اپنی زندگی سے بیزار ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اس کو پناہ ملے گی، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ محفوظ ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہوگا اس کو امن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لشکر کو ہدایت فرمائی کہ مکہ میں داخل

(۱) السنن الکبری للنسائی: ۱۱۲۹۸ (۲) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۴۴- ۲۴۹

ہوتے وقت صرف اس شخص پر ہاتھ اٹھائیں جو ان کی راہ میں حائل ہو اور ان کی مزاحمت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی حکم فرمایا کہ اہل مکہ کی جائیداد کے بارے میں مکمل احتیاط برتی جائے اس میں مطلق دست درازی نہ کی جائے"۔(۱)

"فتح مکہ کے روز ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ڈرو نہیں، اطمینان رکھو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔

آج تو معافی کا دن ہے

جب حضرت سعد بن عبادہؓ جو انصار دستہ کے امیر تھے، ابوسفیان کے پاس سے گذرے، انہوں نے کہا: "الیوم یوم الملحمۃ، الیوم تستحل الکعبۃ، الیوم أذل اللہ قریشا" (۲) (آج گھمسان کا دن ہے، اور خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا

(۱) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۴۸ (۲) کنز العمال: ۳۰۱۷۳

ہے) جب رسول اللہ ﷺ اپنے دستے میں ابوسفیان کے پاس سے گذرے تو انہوں نے آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے سنا سعد نے ابھی کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کہا؟ انہوں نے وہ سب دہرادیا، سعد کے جملے کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا: "الیوم یوم المرحمة، الیوم یعز اللّٰہ قریشا، ویعظم اللّٰہ الکعبة" (۱) (نہیں آج تو رحم ومعافی کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا، اور کعبہ کی عظمت بڑھائے گا)

آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا اور اسلامی پرچم ان سے لے کر ان کے صاحبزادے قیسؓ کے حوالہ کیا، آپ ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو پرچم دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ گویا پرچم ان سے واپس نہیں لیا گیا۔

اس طرح ایک حرف کی تبدیلی (الملحمة کے بجائے المرحمة فرمادینے) اور ایک ہاتھ کو دوسرے

(۱) کنز العمال: ۳۰۱۷۳

ہاتھ سے تبدیل کردینے سے (جن میں سے ایک باپ کا تھا دوسرا بیٹے کا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہؓ (جن کے ایمانی اور مجاہدانہ کارنامے أظهر من الشمس تھے) کی ادنی دل شکنی کے بغیر ابوسفیان کی (جن کی تالیف قلب کی ضرورت تھی) دل جوئی کا سامان ایسے حکیمانہ بلکہ معجزانہ طریقہ پر انجام دے دیا جس سے بہتر طریقہ پر تصور میں آنا مشکل ہے، باپ کے بجائے ان کے بیٹے کو یہ منصب عطا کردیا، جس سے ابوسفیان کے زخم خوردہ دل کی تسکین منظور تھی، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو آزردہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتے تھے، جنہوں نے اسلام کے لیے بڑی خدمات انجام دی تھیں"۔(۱)

آج کا دن تو سلوک کرنے کا ہے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں اپنے مقام پر پہنچ گئے اور لوگ بھی مطمئن ہوگئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں جاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا:

"جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف پورا فرمالیا تو عثمان بن

(۱) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۵۰-۲۵۲

طلحہ کو جو کعبہ کے کلید بردار تھے بلوایا، کعبہ کی کلیدان سے لی
دروازہ کھولا گیا، اور آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اس
سے پہلے جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت سے قبل ایک
دن یہ کلید طلب فرمائی تھی تو انہوں نے سخت جواب دیا تھا،
اور آپ ﷺ سے اہانت آمیز گفتگو کی تھی، اور آپ ﷺ
نے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا:
عثمان! تم یہ کلید کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس
وقت میں جسے چاہوں گا اسے یہ دوں گا، اس کے جواب
میں انہوں نے کہا تھا: اگر ایسا ہوا تو وہ دن قریش کی بڑی
ذلت وتباہی کا ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس دن
وہ آباد اور باعزت ہوں گے، یہ الفاظ عثمان بن طلحہ کے
دل نشیں ہوگئے، اور انہوں محسوس کیا کہ جیسا آپ ﷺ
نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

جب آپ ﷺ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کنجی
آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، آپ ﷺ کو
دیکھتے ہی حضرت علیؓ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: اللہ
آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجے، آپ ﷺ سقایہ (پانی

پلانے کا انتظام) کے ساتھ حجابہ (بیت اللہ کی دربانی) بھی ہمیں عطا فرمائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الیوم یوم البر والوفاء. (آج کا دن تو سلوک کرنے، پورے عطیات دینے کا ہے) پھر عثمان کو بلایا انہیں کو کلید مرحمت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہوگا"۔(۱)

جاؤ تم سب آزاد ہو

"خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کا بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ

(۱) سیرت رسول اکرم، ص:۲۵۴-۲۵۵

آکر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتش مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں"۔

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ "أخ کریم وابن أخ کریم" (آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادرزادہ ہیں)

ارشاد ہوا: لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فأنتم الطلقاء. (۱) (تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ، تم سب آزاد ہو)

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کرلیا تھا، اب وقت تھا کہ ان کو حقوق دلائے جاتے، لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں"۔(۲)

"رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی

(۱) السنن الکبری للنسائی: ۱۱۲۹۸ (۲) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۵۶-۲۵۷

کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے، حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے۔

عبداللہ بن زبعری عرب کا شاعر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کرتا تھا، نجران بھاگ گیا لیکن پھر آکر اسلام لایا۔

حارث بن ہشام کی صاحبزادی ام حکیم عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ تھیں، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ مسلمان ہوگئے اور مکہ میں آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر ان سے بیعت لی۔

وحشی کو بھی معافی دی گئی جس نے امیر حمزہ (أسد اللہ ورسولہ) کو دھوکہ سے مارا تھا، اور پھر نعش کو بے حرمت کیا تھا"۔(۱)

(۱) سیرت رسول اکرم، ص:۲۵۸-۲۵۹

دنیا جانتی ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے، تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ تہذیب و ثقافت کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے عام شہریوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا، مارے جانے والوں کی تعداد ان واقعات میں لاکھوں نہیں کروڑوں میں پہنچتی ہے، لیکن اسلام کا سب سے بڑا معرکہ فتح مکہ کا، جس کے بعد ﴿يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً﴾ کا سماں بندھ گیا، یہ اس کے جستہ جستہ واقعات ہیں، جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا رحمت ذات کا صدقہ ہیں، پورے معرکہ میں دو ایک واقعات کو چھوڑ کر نہ کسی کا خون بہا، اور نہ کسی کی نکسیر پھوٹی، رحم دلی اور عام معافی کی اس سے بڑھ کر کوئی تصویر دنیا نے نہ دیکھی ہے اور قیامت تک نہ دیکھ سکے گی۔

اسیران جنگ کے ساتھ سلوک

''اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی، ان میں حضرت شیما بھی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں، لوگوں نے جب ان کو گرفتار کرلیا تو انہوں نے کہا: ''میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں'' لوگ تصدیق کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے دانت

سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے، فرط محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت کیں اور ارشاد کیا: جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے، انہوں نے خاندان کی محبت سے گھر جانا چاہا، چنانچہ عزت اور احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں"۔(۱)

دعائے رحمت

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا، لیکن اہل طائف قلعہ بند رہے اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، صحابہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں، گرچہ یہ وہی طائف تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا گیا تھا، مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللھم اھد ثقیفا وائت بھم" (۲) (اے اللہ! ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو توفیق دے کہ وہ میرے پاس آجائیں)

حنین کے قیدیوں کے ساتھ سلوک

"حنین کے اسیران جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ

(۱) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۶۷ (۲) طبقات ابن سعد: ۱۵۹/۲

تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیران جنگ رہا کردیئے جائیں، یہ قبیلہ وہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حلیمہ اسی قبیلہ کی تھیں، رئیس قبیلہ نے تقریر کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوکر کہا: "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں انہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالائیں ہیں، خدا کی قسم! سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خاندان عبد المطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے، لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو، نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ کو تو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے، لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لیے سفارش کرتا ہوں" مہاجرین اور انصار بول اٹھے "ہمارا حصہ بھی حاضر ہے" اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد ہوئے"۔(۱)

---

(۱) سیرت رسول اکرم، ص: ۲۷۲

ذوالبجادین کا واقعہ

ذوالبجادین ایک غریب صحابی تھے، تبوک کے قیام کے دوران ان کی وفات ہوئی:

"اس مخلص کے ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مفلس و مخلص صحابہ پر کس قدر مزید لطف و عنایت فرماتے تھے، ان کا نام عبداللہ تھا، ابھی بچہ ہی تھے کہ باپ مر گیا، چچا نے پرورش کی تھی، جب جوان ہوئے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام دے کر ان کی حیثیت درست کر دی تھی، عبداللہ نے اسلام کے متعلق کچھ سنا اور دل میں توحید کا ذوق پیدا ہوا، لیکن چچا سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اظہار اسلام نہ کر سکے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس گئے تو عبداللہ نے چچا سے جا کر کہا:

پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور آپ کب مسلمان ہوتے ہیں لیکن آپ کا حال وہی پہلے کا سا چلا آتا ہے، میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا مجھے اجازت فرمایئے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

چچا نے جواب دیا: ''دیکھ اگر تو محمد (ﷺ) کا دین قبول کرنا چاہتا ہے تو میں سب کچھ تجھ سے چھین لوں گا، تیرے بدن پر چادر اور تہ بند تک باقی نہ رہنے دوں گا''۔

عبد اللہ نے جواب دیا: ''چچا صاحب! میں مسلمان ضرور بنوں گا اور محمد ﷺ کا اتباع ہی قبول کروں گا، شرک اور بت پرستی سے میں بیزار ہو چکا ہوں، اب جو آپ کا منشا ہے کیجئے اور جو کچھ میرے قبضہ میں زر و مال وغیرہ ہے سب کچھ سنبھال لیجئے، میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک روز یہیں دنیا میں چھوڑ جانا ہے اس لیے میں اس کے لیے سچے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔

عبد اللہ نے یہ کہہ کر کپڑے اتار دیئے اور ماں کے سامنے گئے، ماں دیکھ کر حیران ہوئی کہ کیا ہوا، عبد اللہ نے کہا: میں مومن اور موحد ہو گیا ہوں، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں، ستر پوشی کے لیے کپڑے کی ضرورت ہے، مہربانی کر کے دے دیجئے، ماں نے ایک کمبل دے دیا، عبد اللہ نے کمبل پھاڑ کر آدھے کا تہ بند بنا لیا، آدھا اوڑھ لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گئے، علی الصبح مدینہ مسجد نبوی میں پہنچ گئے

اور مسجد سے تکیہ لگا کر منتظرانہ بیٹھ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد مبارک میں آئے انہیں دیکھ کر پوچھا کون ہو؟ کہا: میرا نام عبدالعزیٰ ہے، فقیر و مسافر ہوں، عاشق جمال اور طالب ہدایت ہو کر در دولت آپہنچا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا نام عبد اللہ ہے، ذوالبجادین لقب، تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔

حضرت عبداللہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھتے اور دن بھر عجب ذوق و شوق اور جوش و نشاط سے پڑھا کرتے۔

ایک دفعہ عمر فاروقؓ نے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ اعرابی اس قدر بلند آواز سے پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کی قرأت میں مزاحمت ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! اسے کچھ نہ کہو یہ تو خدا اور رسول کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے۔

عبداللہ کے سامنے غزوۂ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، عرض کیا یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ میں بھی راہ خدا میں شہید ہو جاؤں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ، عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا: الٰہی میں کفار پر اس کا خون حرام کرتا ہوں، عبداللہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو شہادت کا طالب ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب غزوہ کی نیت سے تم نکلو اور پھر تپ آجائے اور مرجاؤ تب بھی تم شہید ہی ہوگے"۔

تبوک پہنچ کر یہی ہوا کہ تپ چڑھی اور عالم بقا کو سدھار گئے، بلال بن حارث مزنی کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ کے دفن کی کیفیت دیکھی ہے:

رات کا وقت تھا حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں چراغ تھا، ابوبکرؓ و عمرؓ اس کی لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قبر میں اترے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ سے فرما رہے تھے "أدنیا الی أخاکما" (اپنے بھائی کو مجھ سے قریب کرو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اینٹیں بھی اپنے ہاتھ سے رکھیں اور پھر دعا میں فرمایا: "اے اللہ! میں ان سے راضی ہوا تو بھی

ان سے راضی ہوجا"، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "کاش اس قبر میں میں دفن کردیا جاتا"۔(۱)

"آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہی نہیں"

ایک مرتبہ ایک بدو نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ چادر کے نشانات آپ کی گردن مبارک پر پڑ گئے۔ کہنے لگا کہ تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے وہ میرے ان دونوں اونٹوں پر لدوا دو، یہ تمہارا یا تمہارے باپ کا مال نہیں ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس قدر فرمایا کہ یقیناً مال اللہ کا ہے اور میں اللہ کا بندہ ہوں، اور تم نے جو میرے ساتھ کیا اس کا بدلہ لیا جائے گا، بدو بولا: نہیں لیا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں لیا جائے گا، وہ بولا کہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہی نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک اونٹ پر جو اور دوسرے اونٹ پر کھجور لاد دیئے جائیں۔(۲)

حلم کی انتہاء

زید بن سعنہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی عالم تھا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض لیا تھا وہ وقت سے پہلے ہی آکر مطالبہ کرنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے پر جو چادر پڑی تھی وہ پکڑی اور کپڑے پکڑ کر کھینچنے لگا، اور

(۱) سیرت رسول اکرم، ص:۲۸۰-۲۸۳ (۲) حذ الحبیب: ۵۲۷

سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا: عبدالمطلب کی سب اولادیں ایسی ہی ٹال مٹول کرتی ہیں، حضرت عمر نے اس کو جھڑکا اور سخت بات کی، آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر! میں اور یہ، تمہاری طرف سے دوسری بات کے زیادہ ضرورت مند تھے، مجھے تم بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی تلقین کرتے اور ان سے بہتر طریقہ پر مطالبہ کرنے کی بات کہتے، پھر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ابھی ادائیگی کے وقت میں تین دن باقی ہیں، لیکن ان کو قرض ادا کردیا جائے اور حضرت عمر سے فرمایا کہ چونکہ تم نے ان کو دھمکایا اور سخت کلامی کی، اس لیے بیس صاع زیادہ دیئے جائیں۔(۱)

یہی واقعہ اس یہودی کے اسلام کا سبب بنا، وہ کہتا تھا میں مستقل نبوت کی علامتیں آپ ﷺ میں دیکھ رہا تھا، دو باتوں کا مجھے امتحان لینا تھا ایک تو یہ کہ آپ کا حلم بہت بڑھا ہوا ہو اور دوسرے یہ کہ آپ کے ساتھ جتنی بھی زیادتی اور جہالت کی جائے آپ اتنا ہی حلم اور عفو سے کام لیں، اس واقعہ سے وہ دونوں اوصاف بھی میرے سامنے آگئے۔

عفوورحمت

ایک مرتبہ ایک بدو آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کچھ مانگا،

---

(۱) سنن البیہقی الکبری: ۱۱۰۶۶

آپ نے عنایت فرمادیا، اور پوچھا کہ کہو معاملہ ٹھیک رہا؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے تو بہتر نہیں کیا، مسلمانوں کو اس پر غصہ آیا وہ اس کی اس گستاخی پر اس کو مارنے کے لیے کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے منع فرمایا: پھر گھر تشریف لے گئے اور اس کو بلوا کر مزید اس کو لاکر عنایت فرمایا اور پوچھا کہو اب کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ آپ کو اہل وعیال کے اعتبار سے بہتر بدلہ عطا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تم نے جو بات پہلے کہی اس سے میرے ساتھیوں کے دل میں کدورت پیدا ہوگئی، اب اگر تم چاہو تو جو تم نے ہم سے اب کہا وہ ہمارے ساتھیوں سے بھی کہہ دو تا کہ تم پر ان کی ناراضگی دور ہو جائے، پھر دوسرے دن صبح یا شام میں وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بدو نے کل جو کہا تھا میں نے اس کو مزید دیا، تو اس کا خیال یہ ہے کہ یہ خوش ہوگیا، کیا واقعی ایسا ہے اس پر اس بدو نے وہی بات دہرادی کہ اللہ آپ کو اہل وعیال کے اعتبار سے بہتر بدلہ عطا کرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اس کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس کی اونٹنی بدک جائے، لوگ اس کو پکڑنے کے لیے دوڑیں تو وہ اور بھاگنے لگے، اونٹنی کا مالک کہے کہ اس کو چھوڑ دو، میں اس کے لیے زیادہ نرم بھی ہوں اور اس کو زیادہ جانتا بھی ہوں، پھر وہ آہستہ سے اس کے سامنے سے آئے اور اس کے لیے زمین سے کچھ چارہ لے لے، اور اس کو واپس لے آئے بٹھائے، کجاوہ اس پر کسے اور اس پر بیٹھ

جائے، اگر میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیتا کہ اس نے جو کہا اس پر تم اس کو قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں جاتا۔(۱)

محبت و شفقت

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن چاشت کے وقت ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی ظاہری حالت اتنی خراب تھی کہ کسی کے جسم پر پورا کپڑا نہ تھا، ننگے پاؤں، فقر و فاقہ چہرہ سے نمایاں، تلوار لٹکائے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اثر پڑا، چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ اندر جاتے، باہر تشریف لاتے، نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال کو اذان کا حکم فرمایا اور نماز کے بعد آپ نے تقریر فرمائی اور تمام مسلمانوں کو ان کی اعانت کی طرف توجہ دلائی، تھوڑی دیر میں دو ڈھیر لگ گئے، ایک کپڑے اور ایک کھانے کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو خوشی میں چہرہ دمکنے لگا۔(۲)

مظہر رحمت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا رحمت کا مظہر ہے، ایک دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الشفا بتعریف حقوق المصطفی، للقاضی عیاض رحمہ اللہ، فی فصل: وأما الشفقة والرأفة والرحمة لجميع الخلق (۲) نسائی: ۲۵۵۵

نے ایسی فرمائی جس سے آپ کی انتہائی رحمت وشفقت جھلکتی ہے،
آپ ﷺ نے دعا میں فرمایا:

"اللهم أني بشر أغضب كما يغضب البشر فأيما مؤمن
أو مومنة دعوت عليه فاجعله له زكاة وطهورا".(۱)

(اے اللہ! میں ایک انسان ہی ہوں، جیسے سب غصہ ہوتے ہیں
میں بھی ہوجاتا ہوں، اس لیے جس مومن مرد، عورت کے حق
میں میں نے بددعا کی ہو تو اس کو اپنے حضور اس کے لیے
پاکیزگی کا ذریعہ ہی بنانا)

انتہائی نرمی

ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، صحابہ کرام بھی تشریف رکھتے تھے، اچانک ایک دیہاتی آ کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ پکڑنے کو دوڑے تو آپ ﷺ نے روکا، اور فرمایا: اس طرح اچانک پکڑو گے تو اس کو تکلیف ہوجائے گی، جب وہ فارغ ہوگیا تو وہ خود کہتا ہے کہ خدا کی قسم اللہ کے رسول ﷺ نے نہ مجھے مارا، نہ جھڑکا، نہ سخت بات کہی، صرف اتنا فرمایا کہ اس طرح کے کام یہاں مناسب نہیں، یہ مسجدیں تو ذکر، نماز اور تلاوت وغیرہ کے لیے ہیں۔(۱)

(۱) مسند أحمد: ۲٤۹۹۱ (۲) مسلم: ۲۸۵

اکثر ایسا ہوتا کہ کسی کے بارے میں آپ ﷺ کو کسی نامناسب کام کی خبر ملتی تو آپ براہ راست اس سے نہ فرماتے بلکہ نماز کے بعد اس طرح کے کلمات ارشاد فرماتے "ما بال أقوام يفعلون كذا و كذا"(۱) (لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسے ایسے کام کرتے ہیں)

ایک مرتبہ مجلس میں ایک صاحب آئے، ان کے لباس پر کچھ گیروا رنگ تھا، جب وہ چلے گئے تو آپ نے فرمایا کہ کوئی ان سے کہہ دے کہ وہ اپنے کپڑے دھولیں۔(۲)

اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟

ایک مرتبہ جب آپ ﷺ غزوۂ ذات الرقاع سے واپس تشریف لارہے تھے، راستہ میں دوپہر کا وقت ہوا، دھوپ سخت تھی، سب حضرات مختلف درختوں کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے، آپ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے، اور اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی، ایک شخص آیا اور اس نے تلوار اٹھالی، آپ فرماتے ہیں کہ جب میری آنکھ کھلی تو یہ تلوار سونتے ہوئے تھا، اس نے مجھ سے کہا: اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے نبوت کی پرجلال آواز کے ساتھ جب فرمایا: اللہ، تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی، اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی،

(۱) أبوداود: ۴۷۸۸ (۲) أبوداود: ۴۷۸۹

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھا لی اور اس کو کوئی سزا نہیں دی۔(۱)

لوگوں کا انتہائی خیال

مسلمانوں پر آپ نہایت شفیق و مہربان تھے اور ان کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے، انسانی طبائع میں اکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا برابر لحاظ فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جو وعظ و نصیحت فرماتے وہ وقفوں کے ساتھ ہوتی تھی، اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اندر اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے۔(۲)

> ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے، سارے مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح تھے جیسے وہ سب آپ کے اہل وعیال میں شامل ہوں، اور ان سب کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اس درجہ شفقت اور ان سے اس درجہ تعلق تھا، جیسے ماں کو اپنے گود کے بچے سے ہوتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال و دولت اور ان کے رزق میں جو فراخی اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی، اس سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی سروکار نہ تھا، لیکن ان

(۱) بخاری: ۲۹۱۳ (۲) سنن الترمذی: ۲۸۵۵

کے قرضوں اور ان کو زیر بار کرنے والی چیزوں کو ہلکا کرنا، آپ ﷺ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرضہ وغیرہ باقی ہے تو وہ ہمارے ذمہ، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مومن ایسا نہیں جس کا مجھ سے زیادہ دنیا و آخرت میں کوئی ولی ہو، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب: ٦) (نبی مسلمانوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ دوست اور شفیق ہیں)

اس لیے جس مسلمان کا انتقال ہوا اور وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ، قریبی رشتہ داروں کا حق ہے، وہ جو بھی ہوں اگر اس کے ذمہ کچھ قرض اور زمین جائیداد رہ جائے تو میرے پاس آئے، اس کا والی اور ذمہ دار میں ہوں"(۱)

"حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ بہت رحم دل تھے، آپ ﷺ کے پاس کوئی ضرورت مند آتا تو آپ ﷺ اس سے وعدہ

(۱) نبی رحمت، ص: ۵۹۱-۵۹۲

ضرور کرتے اور اگر کچھ ہوتا تو اسی وقت اس کی حاجت پوری فرماتے، ایک بار نماز کھڑی ہو چکی تھی کہ ایک اعرابی آگے بڑھا اور آپ کا کپڑا پکڑ کر کہنے لگا کہ میری ایک معمولی سی ضرورت باقی رہ گئی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ تشریف لے گئے، جب اس نے اپنا کام کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی۔

آپ کے تحمل، قوت برداشت، کشادگی قلب اور صبر وعزیمت کے واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ شہادت ہے، جو انہوں نے اس سلسلہ میں دی ہے، اس وقت وہ بہت کم سن تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی "ہوں" بھی نہیں کہا، اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا"؟(۱)

(۱) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۶۰۵-۶۰۶

دین رحمت

ارحم الراحمین نے رحمۃ للعالمین کے ذریعہ سے دنیائے انسانیت کو دین وشریعت کا جو نظام عطا فرمایا وہ بھی سراپا رحمت ہے، گذشتہ قوموں کو جو تعلیمات دی گئی تھیں ان میں بعض شرعی احکامات اتنے سخت تھے کہ ان پر اس امت کے لیے عمل کرنا آسان نہ تھا، قدیم زمانہ میں لوگ بڑے ڈیل ڈول کے اور قوی جسامت رکھنے والے ہوتے تھے مگر یہ دین قیامت تک کے لیے اور تمام عالم انسانیت کے لیے ہے اس میں اس کی ضرورت تھی کہ لوگوں کے قویٰ اور ان کی جسامت کا لحاظ رکھا جائے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا تذکرہ بھی فرمایا کہ

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢٨٦) (اللہ تعالیٰ) کسی کو طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو نبی رحمت بنایا، رحمۃ للعالمین بنایا اور

ان کے ذریعہ سے دیا گیا آخری نظام شریعت کو سراپا رحمت بنایا، اس لیے ارشاد نبوی ہے:

"ان هذا الدين يسر ولن يشاد الدين أحد الا غلبه فسددوا وقاربوا وأبشروا ويسروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة" (۱) (یہ دین آسان ہے اور جو بھی دین سے زور آزمائی کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا تو میانہ روی اختیار کرو اور قریب تر رہنے کی کوشش کرو اور بشارت قبول کرو، آسانی پیدا کرو اور صبح وشام اور کچھ رات کے حصہ میں عمل کر کے مدد چاہو)

یہ تعلیمات رحمت ہی رحمت ہیں، عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا طرز معاشرت ہر جگہ رحمت کے جلوے نظر آتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی معلوم ہوا کہ کوئی اپنے اوپر سختی کرنا چاہتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ایک مرتبہ مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہے جب وہ نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اس پر ٹیک لگا لیتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو کھول کر پھینک دو، تم میں سے جب کوئی تھک جائے تو آرام کرنا چاہیے، اور جب تک نشاط باقی رہے عبادت کرنا چاہیے۔ (۲)

(۱) سنن النسائی: ۵۰۳۷ (۲) صحیح البخاری: ۱۱۵۰

ایک مرتبہ تین صحابہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں رات بھر نمازیں پڑھوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں دن بھر روزے رکھوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ تقوی رکھنے والا ہوں، میں سوتا بھی ہوں، جاگتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔(۱)

ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل روزہ رکھنے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں صوم داودی رکھو، حضرت داود کا معمول تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے۔(۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو دعوت کے لیے بھیجتے تو فرماتے کہ

"یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا" (۳) (آسانی پیدا کرو تنگی مت کرو، بشارت کی بات کہو، تنفر مت کرو)

آپ کی سراپا رحمت تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ کو اپنے جلو میں لیے ہوئے نظر آتی ہیں، کوئی شعبہ زندگی کا ایسا نہیں ہے کہ اس میں رحمت کے مظاہر نہ ہوں۔

عقائد

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بنیادی عقائد امت کے سامنے رکھے وہ بھی

(۱) بخاری: ۵۰۶۳ (۲) بخاری: ۱۹۷۷ (۳) بخاری: ۳۰۳۸

سراپا رحمت ہیں، اللہ کی وحدانیت اس رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے، انسانیت نہ جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی، کوئی کسی پتھر کے آگے سر رکھ رہا تھا تو کوئی کسی درخت کو پوج رہا تھا، معبودوں کی کثرت نے ایسا ذہنی انتشار پیدا کردیا تھا کہ اس نے انسانوں کا سکون غارت کردیا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان تنگ وتاریک گلیوں سے نکال کر عقیدۂ توحید کی ایسی وسعت عطا کی کہ قلب ودماغ روشن ہوگئے، اوران کو ایسی توانائی حاصل ہوئی کہ انسان کو دنیا میں جینے کا مزہ ملا۔

زمانہ جاہلیت میں اہل شرک اپنے خودساختہ وخودتراشیدہ معبودوں کو لیے پھرتے تھے، سفروں میں ان کو ساتھ رکھنا پڑتا تھا، یا اس کے لیے مخصوص مقامات پر جانا لازمی تھا، معبود تک رسائی کے لیے ان کو نہ جانے کیا کیا جتن کرنے پڑتے تھے اور پھر وہ حقیقی معبود سے دور تھے، نبی رحمت ﷺ نے انسانوں کو ان کے خالق سے ملادیا، اور حضوری کی ایسی لذت عطا کردی کہ بندہ کہیں بھی ہو وہ سفر میں ہو یا حضر میں، دن کی روشنی میں ہو یا رات کی تاریکی میں، لوگوں کے مجمع میں ہو یا تنہائیوں میں، وہ کہیں بھی اور جس حال میں بھی ہو اپنے رب سے اس کا تعلق جڑا ہوا ہے وہ جب بھی چاہے اپنے مالک سے فریاد کرسکتا ہے اور اپنی ضرورت اس کے سامنے رکھ سکتا ہے، حقیقت میں یہ توحید کا عقیدہ سراپا رحمت عقیدہ ہے۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تمام انسانوں کے لیے کتنی بڑی رحمت ہے کہ اب نہ کسی آنے والے کا انتظار کرنا ہے اور نہ کسی دعوی کرنے والے کو پرکھنا اور جانچنا ہے، ختم رسالت ہی سے ختم شریعت وابستہ ہے، اب اس شریعت میں بھی کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، اسی پر چلنا ہے، ہر طرح کے اضطراب و انتشار سے بچانے کا یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس کو "ختم نبوت" کہتے ہیں۔

پھر عقیدۂ آخرت کو جس صاف ستھرے اور دوٹوک انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا اس سے ایک بندہ اپنی زندگی روشن کرسکتا ہے، اور اس کے ہمہ وقت استحضار سے اپنے رخ کو درست رکھ سکتا ہے، اس میں نہ دماغ کو الجھانے کی ضرورت ہے، نہ اپنی توانائی اس سوچ میں صرف کرنے کی ضرورت ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، وہ ساری حقیقتیں اور اس کی تفصیلات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادی ہیں۔

پھر اللہ کی اتاری ہوئی سراپا رحمت کتاب اور اس کی تعلیمات اور اس کے وہ فرشتے جو اللہ کے نیک بندوں کے لیے ہمہ وقت دعا گو ہیں، اور ان میں ایک تعداد اسی میں لگی ہوئی ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے دعا کرتی ہے، اور پھر تقدیر کا عقیدہ ایک انسان کے لیے کس قدر سکون کا ذریعہ ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے جو ہوتا ہے سب اللہ کی طرف سے ہوتا

ہے، یہ سپردگی کا عقیدہ کس قدر سکون عطا کرتا ہے، یقیناً یہ عقائد اپنے اندر رحمت کے ایسے مظاہر رکھتے ہیں کہ ان سے رحمۃ للعالمین ﷺ کی سراپا رحمت تعلیمات کا آغاز ہوتا ہے۔

نماز

عقائد کے بعد اسلام کے چار ارکان ہیں، جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے، ان میں سے پہلا رکن نماز ہے، جو مومن کے لیے ربانی تحفہ ہے، معراج کے موقع پر آنحضور ﷺ کے ذریعہ سے یہ ایمان والوں کو عطا ہوا، اللہ نے آپ ﷺ کو معراج روحانی وجسمانی عطا فرمائی، تو اس نبی رحمت کے طفیل میں تمام ایمان والوں کو نماز کے ذریعہ سے روحانی معراج کا موقع عطا فرمایا کہ بندہ اس میں اپنے رب سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ دل میں ایک ٹھنڈک اور دماغ میں فرحت محسوس کرتا ہے، اور جس کا ایمان جتنا طاقتور ہوتا ہے اس کو نماز سے اتنا ہی قرب ربانی حاصل ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اس کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے، مگر یہ بھی نبی رحمت کا فیض ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کا خیال رکھنے کا اس میں بھی حکم فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"اذا أم أحدكم الناس فليخفف فان فيهم الصغير والكبير والضعيف والمريض" (۱) (تم میں جو بھی نماز پڑھائے اسے

(۱) سنن الترمذی: ۲۳۶

چاہیے کہ وہ نماز ہلکی پڑھائے، اس لیے کہ تم میں بچے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں، اور کمزور بھی ہیں، مریض بھی ہیں)

ایک طرف نماز روح کے لیے سراپا رحمت ہے تو دوسری طرف اس میں ایسے آداب بھی بتادیے گئے ہیں کہ کسی کو جسمانی طور پر بھی مشقت کا بوجھ نہ پڑے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھاتا ہوں اور بچوں کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو اس خیال سے نماز کو مختصر کردیتا ہوں کہ ماں کو اس میں پریشانی ہوگی۔(۱)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے شکایت کی کہ ہمارے امام صاحب بہت طویل قرأت کرتے ہیں اور ہم لوگ کسان لوگ تھکے ماندے ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امام صاحب کو بلوا کر سرزنش فرمائی اور فرمایا: "کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ فتنہ میں پڑجائیں"؟(۲)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو لا أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة ولأخرت صلاة العشاء الى ثلث الليل"(۳) (اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ امت دشواری میں پڑجائے گی تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم کرتا، اور عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر کرتا)

(۱) صحیح البخاری: ۷۰۷ (۲) صحیح مسلم: ۴۶۵ (۳) سنن الترمذی: ۲۳

نمازوں کے اوقات بھی ایسے تجویز ہوئے جو انسانی ضروریات کے لحاظ سے بہت مناسب ہیں، اور ان میں ان کی پوری رعایت موجود ہے، دن میں فجر کے بعد ظہر تک طویل وقت جو خاص کام کا ہوتا ہے رخصت کا دیا گیا تھا کہ آدمی کام میں حرج محسوس نہ کرے، اسی طرح عشا اور فجر کے درمیان کا طویل وقفہ ہے جو آرام کے لیے طے کیا گیا ہے اور اللہ نے اس کو آرام کے لیے بنایا ہے۔

نمازوں کی یہ ساری ترتیب انسانی مزاج وضروریات کے عین مطابق ہے، یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا رحمت تعلیمات کا فیض ہے، جو اللہ ارحم الراحمین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے امت کو عطا فرمائی ہیں۔

زکوۃ

اسلام کا دوسرا رکن زکوۃ ہے، اس میں امیر وفقیر اور شاہ وگدا دونوں کا کس درجہ خیال رکھا گیا ہے، اور دونوں کے لیے ایسے ضوابط طے کیے گئے ہیں کہ ضرورت مند کی ضرورت بھی پوری ہو لیکن دینے والے پر بوجھ نہ پڑے، سال میں صرف ایک مرتبہ صرف ڈھائی فیصد اس مال میں سے زکاۃ فرض کی گئی ہے جو اس کی اصل ضرورت سے الگ ہو، نہ گھر پر زکاۃ ہے، نہ سواری پر، نہ کارخانے پر، نہ دوکان پر، زکاۃ اس مال پر ہے جو کارخانے میں تیار ہوتا ہے یا دوکان میں فروخت ہوتا ہے، یا جمع کر کے

رکھا جاتا ہے، اس طرح سے یہ ایک عالمی سرکولیشن ہے، جو پورا اقتصادی نظام درست کرتا ہے اور دلوں میں انسانی ہمدردی اور رحمت کے جذبات ابھارتا ہے، اور خیر پر آمادہ کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ زکاۃ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ وہ جب جانور کی زکاۃ وصول کرے تو اچھے اچھے جانور نہ چھانٹ لے، بلکہ اعتدال سے کام لے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ زکاۃ جہاں سے لی جائے وہیں کے فقراء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کی جائے، (۱) یہی اس کی بہتر صورت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم انتہائی رحمت کا مظہر ہے کہ اگر زکاۃ وصدقات اپنے ہی قریبی اعزہ کو دی جائے جن کی کفالت و پرورش اس کے ذمہ نہیں تو اس میں دوہرا اجر ہے، ایک صدقہ کا اور دوسرے صلہ رحمی کا۔ (۲)

احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات وخیرات کی بڑی فضیلت بیان فرمائی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ اپنے گھر بار کا بھی خیال رکھو، ایک مرتبہ ایک صحابی نے چاہا کہ اپنا سب مال صدقہ کردیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا اور صرف تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ:

"انك ان تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس" (۳) (تم اپنے عیال کی ضرورت پوری

(۱) أبوداؤد: ۱۵۸۴ (۲) بخاری: ۱۴۶۶ (۳) بخاری: ۱۲۹۵

کر کے جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ کر جاؤ اور
وہ در در ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں، اور دوسروں کے سامنے
ہاتھ پھیلائیں)

صدقات و خیرات کے بارے میں یہ بھی حکم دیا گیا کہ خیرات کرنے والا صدقہ و خیرات کو محض اللہ کا فضل سمجھے وہ اس کو کسی پر احسان خیال نہ کرے، اور اگر کوئی احسان جتلاتا ہے تو وہ اپنا سب عمل بیکار کر رہا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان جتلانے والے کی طرف قیامت میں نگاہ بھی نہ فرمائیں گے،(۱) اور قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى﴾ (البقرة: ٢٦٤) (اے ایمان والو! احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو)

زکاۃ و صدقات کے بارے میں یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا رحمت تعلیمات ہیں جن پر اگر عمل کرلیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی فقیر فقیر نہ رہے، اور دنیا کا انتہائی ناہموار، غیر مستحکم معاشی نظام ایسا مضبوط، مستحکم اور ہموار ہو جائے جس کی دنیائے انسانیت کو ضرورت ہے۔

روزہ

روزہ جہنم سے ڈھال ہے، شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہے، (۲)

(۱) سنن الترمذی:۱۲۱۱ (۲) صحیح البخاری:۱۹۰۴

اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے بندوں کے لیے رحمت بنایا ہے، آنحضور ﷺ اس کا بڑا اہتمام فرماتے اور نفل روزے کثرت سے رکھتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کبھی کبھی صوم وصال رکھتے، نہ دن کو افطار کرتے نہ رات میں، صحابہ نے آپ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا، یہ آپ ﷺ کی رحمت تھی کہ خود آپ ﷺ روزہ پر روزہ رکھ رہے ہیں، لیکن دوسروں کو اس لیے منع فرما رہے ہیں کہ وہ اس کو برداشت نہ کرسکیں گے اور یہ ان کی تسلی کے لیے فرما رہے ہیں کہ میں تو اس لیے رکھتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔(۱)

سحر میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے کو آپ ﷺ نے عبادت قرار دیا، (۲) عبودیت کا مظہر بنادیا کہ لوگ سحر میں جلدی کرنے اور افطار میں دیر کرنے کو بہتر سمجھ کر کہیں مشقت میں نہ پڑجائیں، اور یہ یقیناً آپ ﷺ کی رحمت وشفقت کی انتہاء ہے کہ آپ ﷺ نے اس لیے تراویح کی پابندی نہیں فرمائی کہ کہیں یہ میری امت پر فرض ہوجائے۔

حج

حج اسلام کا انتہائی مہتم بالشان رکن ہے، جس میں بندہ اپنی بندگی کا بھرپور اظہار کرتا ہے، اور جس طرح نماز میں شاہ وگدا ایک صف میں

(۱) صحیح مسلم:۱۱۰۲ (۲) صحیح مسلم:۱۰۹۹

کھڑے ہو جاتے ہیں اسی طرح حج میں سب امیر و غریب ایک لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں، امیری و غریبی کا فرق مٹ جاتا ہے، سب اپنے مالک کے دربار میں ایک ہیں ؎

تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

بیت اللہ کی حاضری بندوں پر اللہ کی خاص رحمت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی، حج کی ندا لگائی، اور حضور اقدس ﷺ نے دنیا کے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا، پھر کیا تھا:

﴿وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾

(الحج:۲۷) (اور ایسی دبلی پتلی اونٹنیوں پر بھی آئیں گے جو ہر دور دراز راستوں سے چلی آتی ہوں گی)

کا سماں بندھ گیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر مختلف لوگ آتے تھے اور آنحضور ﷺ سے مسائل دریافت کرتے تھے، اپنی غلطیاں بتاتے تھے، آپ ﷺ کا کمال شفقت و رحمت تھا کہ آپ ﷺ سب کی دل جوئی فرماتے نہ کسی کو ڈانٹتے، نہ کسی کو جھڑکتے، البتہ مسئلہ کی وضاحت فرما دیتے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔

طواف میں جب آپ ﷺ حجر اسود کے سامنے تشریف لاتے تو اشارہ سے استلام فرماتے آپ چاہتے تو کیا مشکل تھا آپ براہ راست

بوسہ لیتے، لیکن قربان جایئے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا پر محض اس خیال سے کہ پھر لوگ اسی پر ٹوٹ پڑیں گے اور یہ چیز تکلیف کا ذریعہ بنے گی اس لیے آپ نے خود بوسہ نہیں لیا بلکہ استلام پر اکتفاء فرمایا تا کہ لوگ بوسہ لینے پر اصرار نہ کریں۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے تھے لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض اس لیے اس کے اندر تشریف نہیں لے گئے کہ لوگ اس کو حج کا ایک حصہ سمجھ لیں گے اور پھر دشواری میں پڑیں گے۔

خطبہ عرفات کی چند جھلکیاں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا امت کے لیے شفقت و رحمت سے تعبیر تھی، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبے دیئے وہ بھی کمال رحمت کا اعلی نمونہ ہیں، علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اپنے بلیغ اسلوب میں لکھتے ہیں:

> "عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، اور ان ہی نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے وہاں متعین کیا ہے، عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا، دوپہر ڈھل گئی، تو ناقہ پر (جس کا نام قصوا تھا) سوار

ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹادیا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ألا کل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع"(١) (ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں)

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے، مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا، سلاطین سایۂ یزدانی تھے، جن کے آگے کسی کو چون وچرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفا رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہم سر نہیں ہو سکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حدبندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں:

"یا أیها الناس! ألا ان ربکم واحد، وان أباکم واحد، ألا لا فضل لعربي علی عجمي، ولا

(١) صحیح مسلم:١٢١٨ (٢) مسند احمد:٢٣٢٠٤

عجمي على عربي ولا أحمر على أسود ولا أسود على أحمر الا بالتقوى" (۲) (لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کے سبب سے)

"ان كل مسلم أخ المسلم وان المسلمين اخوة" (۱) ("ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے" اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں)

"أرقاء كم أرقاء كم أطعموهم مما تلبسون" (۲) (تمہارے غلام، تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ)

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا، تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہوجاتا تھا، یہاں تک کہ سیکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا، اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوجاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی، آج یہ

(۱) مستدرک حاکم: ۳۱۸ (۲) ابن سعد قسم اول جز ثانی ص: ۱۳۳

سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پرفخر مشغلہ برباد کردیا جاتا ہے (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے):

"ودماء الجاهلية موضوعة وان أول دم أضع من دماء نا دم ابن ربيعة ابن الحارث" (۱) (جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کردیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کردیتا ہوں)

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا، اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے، اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے:

"وربا الجاهلية موضوع وأول ربا أضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب" (۲) (جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں)

(۱) سنن أبي داود: ۱۹۰۵ (۲) صحیح مسلم: ۳۰۰۹

آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں، جو قمار بازی میں داؤں پر چڑھا دی جاسکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدردانی کا تاج پہنتا ہے:

"فاتقوا اللہ فی النساء" (۱) (عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو)

"ان لکم علی نساء کم حقا ولھن علیکم حقا" (۲)

عرب میں جان ومال کی کچھ قیمت نہ تھی، جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا، اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا، (آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے):

"ان دماء کم و أموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الی یوم تلقون ربکم" (۳) (تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے)"۔ (۴)

(۱) صحیح مسلم: ۳۰۰۹ (۲) طبری، ج: ۱۷۵/۴
(۳) بخاری: ۱۷۴۱ (۴) ماخوذ از: سیرۃ النبی، ج: ۱۱۹/۲-۱۲۲

جتنے بھی احکامات آپ ﷺ نے امت کو دیئے ان سب میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے، لیکن اسی کے ساتھ امت کے لیے فکر و تڑپ اور اس کی نجات کے لیے مسلسل دعا و مناجات آپ ﷺ کی امت پر انتہائی رحمت و شفقت کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة: ۱۲۸) (یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آچکے، تمہاری تکلیف جن کو بہت شاق گزرتی ہے تمہاری (بھلائی) کے بہت خواہش مند ہیں ایمان والوں کے لیے تو بڑے شفیق بہت مہربان ہیں)

معاملات

اسلام کا نظام معاملات و معیشت بھی آنحضور ﷺ کی سراپا رحمت ذات کا عطا فرمودہ ہے، اصول قرآنی کی روشنی میں بحکم الٰہی آپ ﷺ نے اس کے نوک پلک کو ایسا درست فرمایا ہے کہ بجائے خود یہ نظام عالم انسانیت کے لیے رحمت کا خزانہ ہے، اس نظام میں کمزوروں کو ان کے حقوق دلائے گئے ہیں، طاقتور کو اس کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا گیا

ہے، سود، غصب، چوری، رشوت، جوا، اور اس جیسی وہ تمام چیزیں حرام قرار دی گئیں ہیں جو انسانیت کے لیے ناسور ہیں، اور جن میں اسلام کے نظام عدل و مساوات پر ضرب پڑتی ہے، اور کمزوروں کو دبایا جاتا ہے، ان کے حقوق مارے جاتے ہیں، اور جس کے نتیجہ میں انسانی زندگی میں ایسی ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ ان کو برابر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دنیا کے اقتصادی نظام میں سود ایک کینسر کی طرح ہے، جس کے نتیجہ میں نہ جانے کتنے انسان خودکشی پر مجبور ہوتے ہیں، ایک دولت مند اپنی دولت کے ذریعہ سے کمزوروں اور غریبوں کو چوستا ہے اور ان کو کنگال کر کے چھوڑتا ہے، افراد بھی اس کا شکار ہوتے ہیں اور ملکوں کو بھی اس شکنجے میں جکڑا جاتا ہے، اسلام کا نظام رحمت و انصاف جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا گیا وہ اس کو کہاں برداشت کر سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اقتصادی نظام میں سب سے بڑھ کر جو ضرب لگائی ہے وہ سود پر لگائی ہے، اور ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ☆ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (البقرة: ۲۷۸-۲۷۹) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان

رکھتے ہو☆ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے خبردار ہو جاؤ)

انسانی ہمدردی اور مہربانی کی بنا پر قرض دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور اس پر معاوضہ کو حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ دلوں میں رحمت والفت کے جذبات پروان چڑھیں اور انسان ہمیشہ تجارتی دماغ سے ہی نہ سوچتا رہے بلکہ اس کے اندر انسانیت اور ایثار وغم گساری کی صفات رنگ لائیں اور سماج حیوانی سماج نہ ہو بلکہ وہ انسانی سماج کا نمونہ بن سکے۔

رحمت ومودت کے جذبات کو باقی رکھنے کے لیے اسلام نے ایسے اصول بھی طے کر دیئے ہیں کہ اس کے بعد باہمی نزاع وجدال اور انتشار کے خطرات کم سے کم ہو جاتے ہیں، اور آپس کی محبتیں قائم رہتی ہیں، ایک جگہ ارشاد ہوا کہ "الخراج بالضمان"(۱) (جو ضمانت لیتا ہے فائدہ بھی اسی کا ہوتا ہے) یہ ایک نہایت اہم اصول ہے، معاملات اور آپسی کاروبار کا، اس اصول کے نتیجہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں صاف ہو جاتی ہیں، اور پھر جھگڑوں سے نجات مل جاتی ہے، اسی سے ملتا جلتا اصول یہ بھی ہے کہ "الغنم بالغرم"(۲) (جو محنت کرے گا نفع اس کا ہوگا)

قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب معاملہ کیا جائے، لین دین ہو تو

(۱) أبوداؤد: ۳۵۱۰ (۲) المبسوط للسرخسي: ۱/۱٤٤

اس کو ضبط تحریر میں لے آیا جائے اور گواہ بھی بنا لیے جائیں تاکہ بعد میں اگر بھول چوک ہو یا کوئی فریق ظلم وزیادتی پر آمادہ ہو جائے تو فیصلہ آسان ہو اور دلوں کے ٹوٹنے اور درمیان میں خلیج کے حائل ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من غشنا فلیس منا" (۱) (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع پر بیع کرنے سے اور آپس میں دلالی کرنے سے جس میں خریدار کو دھوکہ میں رکھا جائے منع فرمایا، یہ بھی فرمایا کہ نکاح کا پیغام دیا جا چکا ہو اور بات طے ہو رہی ہو تو اس پر کوئی دوسرا پیغام نہ دے تاکہ جھگڑے نہ پیدا ہوں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملات میں سچائی، امانت داری اور معاہدہ کی پابندی کی تاکید فرمائی اور اس کے برخلاف جھوٹ، خیانت اور بدعہدی کو منافقانہ صفات قرار دیا۔

یہ دنیا کا اصول رہا ہے کہ جب ہر ہر فرد اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے تو اسی سے تعلقات استوار رہتے ہیں، ورنہ دلوں میں رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی،

(۱) صحیح مسلم: ۱۰۱

ایک طرف کام کرنے والے کو حکم ہے کہ وہ کوئی کوتاہی نہ کرے لیکن دوسری طرف کام لینے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کا خیال رکھے کہ وہ اپنے ہی ایک بھائی سے کام لے رہا ہے، اس میں وہ تجاوز نہ کرے، ورنہ ظالموں میں شمار کیا جائے گا، ظاہر ہے کہ آپس کے تعلقات اسی وقت خوشگوار رہ سکتے ہیں جب دونوں طرف کے لوگ اعتدال و توازن سے کام لیں اور اپنی طرف سے کوتاہی یا زیادتی نہ کریں۔

معاشرت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاشرتی زندگی کی تلقین فرمائی ہے اور اس کے اصول و ضوابط طے فرمائے، وہ رحمت انسانی کا ایک بہترین نمونہ ہے، گھریلو زندگی، نکاح، طلاق، خلع، بچوں کی تربیت، محلّہ والوں کے ساتھ برتاؤ، یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جا بجا افراد اور معاشرہ کو ایسی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک طرف اولاد کو حکم ہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے، احترام و تعظیم میں کوئی کسر نہ چھوڑے، ان کی ہر جائز بات مانے، ان کی کسی بات پر اف تک نہ کہے اور ہمیشہ محبت و ملاطفت کا برتاؤ کرے، اسی طرح ماں باپ کو بھی تلقین کی گئی ہے کہ وہ اولاد کی بہتر سے

بہتر تربیت کریں تا کہ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین ثابت ہوں، عالم انسانیت کے لیے نمونہ بن سکیں، اخلاق ورحمت کا پیکر ہوں۔

ایک طرف بیوی کو حکم ہے کہ وہ شوہر کی تابعداری کرے اس کی خدمت اور راحت وآرام میں کسی قسم کی کمی نہ کرے، اس کے گھر کی حفاظت کرے اور اس کے پیچھے کوئی کام اس کی ناپسندیدگی کا نہ کرے تو دوسری طرف مرد کو حکم ہوا کہ بیوی کا خیال رکھے، ہمیشہ عیب چینی میں لگا نہ رہے، اس کی کمیوں کو برداشت کرے اور اس کی ضرورتیں پوری کرے۔

ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ساتھ کیا برتاؤ کرے یہاں تک کہ اگر کسی کا تھوڑی دیر کا بھی کہیں ساتھ ہو گیا تو اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے، نوکر اور ملازم کے ساتھ کیا برتاؤ کرے یہ سب تفصیلات نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا اہم حصہ ہیں۔

نکاح ایک انسانی ضرورت ہے، نبی رحمت ﷺ نے اس کو

"النكاح من سنتي"(۱) (نکاح میری سنت ہے)

کہہ کر عبادت بنا دیا، بیوی کو کھلانا پلانا انسانی ضرورت ہے آپ ﷺ نے اس کو اسلامی تعلیمات کا ایک حصہ قرار دے کر صدقہ فرمایا اور انتہاء یہ ہے کہ شوہر بیوی کے تعلقات کو جو خالص اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے

(۱) صحیح البخاری: ۵۰۶۳

ہوتے ہیں، ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر صدقہ فرمایا کہ اگر یہ تعلقات غلط طریقہ پر بغیر نکاح کے قائم کیے جاتے تو گناہ ہوتا۔

نکاح میں کسی پر ایسا بوجھ نہیں رکھا گیا کہ مصیبت بن جائے، نہ مرد پر، نہ عورت پر، البتہ ولیمہ کو مسنون قرار دیا گیا جو خوشی کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔

طلاق کی اجازت بھی ضرورت شدیدہ کی حد تک دی گئی مگر اس علاحدگی کو بہت ہی ناپسندیدہ قرار دیا گیا، اور عورتوں کے مخصوص ایام میں اس سے روکا گیا اور حکم دیا گیا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دی جائیں تاکہ جوڑ کی صورتیں باقی رہیں۔

نظام حدود وتعزیرات

اسلام کا یہ نظام رحمت عالمی نظام کو استوار کرنے اور اس کو صحیح رخ پر لانے کے لیے ہے، انسانوں کے اندر انسانیت پیدا کرنے اور ان کے اندر انسانی شرافت و رحمت کے جذبات ابھارنے اور ان کو باقی رکھنے کے لیے ایک ایسا ربانی نظام ہے کہ اگر اس پر اس کے صحیح اصولوں کے ساتھ عمل کیا جائے تو دنیا گہوارۂ جنت بن جائے، ظلم وستم کی گرم بازاری سرد پڑ جائے اور ہر ایک دوسرے کے لیے سراپا رحمت بن جائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان حدود کو بیان فرما دیا، اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کی تفصیلات بیان فرمائیں، اور نظام تعزیرات واضح فرمایا، ظاہری طور پر یہ ایک تکلیف دہ عمل نظر آتا ہے، لیکن ہزار رحمتوں کا باعث ہے۔

یہ اصول سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسلام میں نہ سنگسار کرنا مقصود ہے، نہ ہاتھ کاٹنا، نہ قتل کرنا اور نہ کوڑے لگانا، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ پورا سماج ان بے حیائیوں اور ظلم وستم کی ان تمام شکلوں سے پاک ہو جائے جو انسانی سماج کے لیے ایک ناسور کی حیثیت رکھنے والی چیزیں ہیں، اللہ فرماتا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۷۹) (اور قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اے ہوش والو! تاکہ تم احتیاط کرنے لگو)

اور یہی حال تمام حدود وتعزیرات کا ہے، اس کو اس وقت سمجھنا اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے جب ان حدود کے لیے جو شروط وضوابط طے کیے گئے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے اور اس کی تفصیلات میں جانے کی کوشش کی جائے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ سب سے زیادہ سخت سزا زنا کی ہے، لیکن سب سے زیادہ شرطیں بھی اسی کے لیے لگائی گئی ہیں، ان کو دیکھ کر لگتا ہے اسلام اصلاً حد جاری کرنا نہیں چاہتا البتہ اس کا ایک ہوا کھڑا کرنا چاہتا ہے، ایک مزاج بنانا چاہتا ہے تاکہ اس کے نتیجہ میں لوگ اس گھناؤنے کام کے

قریب نہ ہوں، اور عورتوں کی عزت وعصمت کی حفاظت سماج کے لیے مسئلہ نہ بن سکے، موجودہ حالات میں اس کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہا، جب کہ روز حادثات پیش آتے ہیں اور عورتوں کی عزت پر حملے ہوتے ہیں، اور اس سلسلہ میں حکومتیں خاموش تماشائی بنی رہتی ہیں، اور ان کو کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتا، سنگسار کی سزا ایسی ہے کہ وہ دی جاسکے یا نہ دی جاسکے لیکن اس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے، پھر اس کے بعد وہی اس کی جرأت کر سکتا ہے جس کا دل مسخ ہو گیا ہو اور اس کا دماغ جانوروں کا بن گیا ہو، اور اس کو ذرا بھی برے انجام کا خیال نہ رہ گیا ہو۔

زنا کے لیے شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے چار گواہ ہوں، اور وہ چاروں ایسے ہوں کہ ان کے سامنے پوری وضاحت ہو جس کو وہ صاف صاف بتا سکیں، ظاہر ہے یہ آسان نہیں ایسی گواہی تو اسی شخص کے بارے میں دی جاسکتی ہے جو انتہائی درجہ بے حمیت اور گندگی کا پوٹ بن چکا ہو، اور اس نے سارے انسانی حدود پار کر لیے ہوں، لیکن ایسا آدمی انسانی آبادی کے لیے ایک ایسا ناسور ہے کہ اگر اس کا علاج نہ کیا گیا تو پورا سماج اس کا شکار ہو سکتا ہے۔

یہی حال چوری میں ہاتھ کاٹنے کی حد کا ہے، اس میں بھی ایسی شرطیں ہیں کہ ہاتھ اسی وقت کٹے گا جب کوئی اس بری عادت پر تل جائے، اور وہ

پورے سماج کے لیے ناسور بن جائے، ورنہ اگر کوئی کھلے عام اپنا مال ڈال دے اور کوئی چرالے تو خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو اس میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ اس میں غلطی اپنے مال کو کھلے عام ڈال دینے والے کی بھی ہے۔

یہی حال تمام حدود وتعزیرات کا ہے کہ وہ اصلاً مزاج بنانے کے لیے ہیں تاکہ دنیا میں امن و رحمت کی ہوائیں چلیں، اور ہر شخص سکون و اطمینان کے ساتھ رہ سکے۔

اسلامی جہاد

جہاد انتہائی کوشش کا نام ہے، اور اسلام میں جہاد ہر اس کوشش کو کہتے ہیں جو دنیا کی اصلاح کے لیے حقیقی امن عالم قائم کرنے کے لیے کی جائے، یہاں تک کہ جو کوشش اپنی اصلاح کے لیے کی جائے اس کو بھی جہاد کہا گیا ہے، ظاہر ہے یہ کوشش جتنے جذبہ کے ساتھ کی جائے گی اور اس میں جتنی قربانی دی جائے گی اتنا ہی یہ کام بلند مرتبہ ہوگا، اسی لیے قتال اس کی اعلیٰ ترین شکل ہے جس میں آدمی اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور اپنی جان وتن کے ساتھ اللہ کے لیے حاضر ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں بھلائیاں پھیلیں اور ظلم وستم کا راج ختم ہو، عدل وانصاف اور رحمت وانسانیت کی فضا قائم ہو اور یہ چیز اللہ کی رضا کا ذریعہ بنے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت اسی لیے بیان فرمائی کہ یہ بڑی قربانی ہے اور اس کی تمنا فرمائی کہ

"لوددت أني أقتل في سبيل الله ثم أحيا، ثم أقتل ثم أحيا، ثم أقتل ثم أحيا، ثم أقتل" (۱) (میری خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں)

چونکہ یہ انتہائی قربانی ہے اس لیے اس کی فضیلتیں بے شمار ہیں، لیکن رحمت عالم ﷺ نے جا بجا اپنے مبارک قول وعمل سے اس کی تفصیلات بھی ارشاد فرمائی ہیں جس سے اصولی طور پر یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ قتال کی صورت وہیں اختیار کی جائے گی جب اس کے سوا کوئی راستہ نہ رہ جائے، نظام عالم کو بہتر بنانے کے لیے اور نظام رحمت قائم کرنے کے لیے جو بھی رکاوٹ بنے اس رکاوٹ کو ہٹایا جائے، اس کی مثال آپریشن کی ہے جب جسم میں کوئی حصہ ایسا بگڑ جاتا ہے کہ علاج کی کوئی شکل باقی نہیں رہ جاتی تو اس کو نکالنا پڑتا ہے، ورنہ پورے جسم پر اس کا اثر پڑتا ہے اور موت کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح دنیا میں جو فسادی ذہن رکھنے والے لوگ ہیں وہ

(۱) صحیح البخاری: ۲۷۹۷

پوری دنیا کے لیے ناسور ہیں، حتی الامکان ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے ورنہ ان کو راستہ سے ہٹا دینا ہی صلاح عالم کے لیے ضروری ہے۔

قتال و جہاد کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول و ضوابط بھی متعین فرما دیئے ہیں، پہلا مرحلہ دعوت کا ہے کہ لوگ اسی راستہ پر آجائیں جو راستہ صلاح وفلاح کا ہے، اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ اس راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں، نظام کو بہتر ہونے میں مدد نہ کریں تو اس میں روڑے بھی نہ اٹکائیں، اگر لوگ اس پر بھی راضی نہیں ہوتے اور رکاوٹ بنتے ہیں، لوگوں کو صحیح اور سچے راستہ پر آنے کے لیے روکتے ہیں، وہ راستہ جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا اور اس سے دنیا میں انصاف و رحمت کی ہوائیں چلنے لگیں، تو یقیناً اس میں رکاوٹ بننے والوں سے ضروری ہے کہ جہاد کیا جائے، لیکن اس کا خیال رہے کہ مقابل میں بڑی طاقت نہ ہو، اور مقابلہ کی صلاحیت ہو، آپس میں اتحاد ہو، امیر کی امارت ہو پھر جہاد کرنا ہوگا، اور پھر اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، خاص مذہبی لوگ جو تعرض نہیں کرتے ان کو نہ مارا جائے، باغات اور کھیتیاں نہ جلائی جائیں، ہاتھ یا بدن نہ کاٹے جائیں، صورت نہ بگاڑی جائے اور ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جو انسانیت اور اسلام کے نظام انصاف کے منافی ہو۔

ہر شعبہ زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات رحمت اور نرمی سے بھری

ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا" (۱) اور فرمایا: "مجھے سختی پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو معلم اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ (۲)

امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و رحمت ایک محبت رکھنے والی ماں سے زیادہ نظر آتی ہے، جس کو ہمیشہ اپنے بچہ کے نقصان کا ڈر پریشان رکھتا ہے، آپ کی مبارک تعلیمات اسی محبت اور انتہائی مہربانی کا نتیجہ ہیں، آپ فرماتے ہیں "جو کسی پر تلوار سونت لے اس کو ہم سے کوئی تعلق نہیں"، (۳) فرمایا کہ "تم میں سے کوئی کسی پر اسلحہ سے اشارہ نہ کرے" (۴) اور "اگر کوئی کسی پر لوہے سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اس وقت تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اس کو رکھ نہ دے"، (۵) فرمایا: "اگر کوئی مسجد یا بازار جاتا ہے تو اسے چاہیے کہ اگر کوئی دھاردار چیز ہو تو اس کو تھام کر رکھے کہ کہیں کسی کو اس سے نقصان نہ پہنچ جائے"، (۶) آپ نے اسی لیے کھلی ہوئی چھت پر سونے سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ سوتے وقت چراغ بجھا دیئے جائیں کہ کہیں کوئی چوہا وغیرہ اس کو گھسیٹ لے اور اس کے گرنے سے آگ لگ جائے، (۷) ایسی متعدد تعلیمات ہیں جو آپ کی سراپا رحمت ذات نے ارشاد فرمائی ہیں تاکہ لوگ ہر طرح کی تکلیف سے محفوظ رہیں۔

(۱) شعب الایمان: ۸۴۱۴ (۲) مسلم: ۳۷۶۳ (۳) مسند احمد: ۱۶۵۰۰ (۴) ابن ماجہ: ۲۲۲۵ (۵) بخاری: ۶۶۶۱ (۶) بخاری: ۶۶۶۴ (۷) بیہقی: ۳۸۳

سراپا رحمت تعلیمات

رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات سراپا رحمت، آپ کی تعلیمات سراپا رحمت، آپ کا اسوہ اسوۂ رحمت اور آپ کے ارشادات عالم انسانیت ہی کے لیے نہیں، ساری کائنات کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں، جو اس سایہ رحمت میں آجائے وہ عالم کے لیے رحمت بن جائیں، جو بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا، زخم کھا کر دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھنا، پیٹ پر پتھر باندھ کر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اس کا شیوہ بن جائے، یہ آپ ﷺ کا اسوۂ رحمت ہی تھا کہ ایک صحابی مہمان رسول ﷺ کو گھر لے جاتے ہیں، خود بیوی بچے بھوکے سوتے ہیں اور مہمان کا پیٹ بھرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ آیت شریفہ نازل ہوئی

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹) (اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے

ہیں خواہ خود تنگدستی کا شکار ہوں)

آنحضور ﷺ رحمت عامہ کی تلقین امت کو فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے

"الراحمون يرحمهم الرحمان، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء" (۱) (رحم کرنے والوں پر سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا رحم فرماتا ہے، تم اہل زمین پر مہربانی کرو آسمان والا تم پر مہربان ہوگا)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا"، وہ ارحم الراحمین، اس کا نبی رحمۃ للعالمین اور اس نبی کی امت، امت رحمت ہے، جس کو مہربانی کرنے کی تلقین کی جارہی ہے، ہر ایک کے ساتھ مہربانی کی تلقین ہے، وہ دوست ہو یا دشمن ہو، البتہ مہربانی کے انداز بدل جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انصر أخاك ظالما أو مظلوما" (۲) (اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم)

صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے، ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ فرمایا: اس کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد

(۱) أبوداود: ۴۹۴۱ (۲) ترمذی: ۲۲۵۵

ہے، البتہ ظلم سے روکنا بھی محبت کے ساتھ ہو، ہمدردی کے جذبات امنڈ رہے ہوں، سامنے والا سمجھ لے کہ یہ روکنے والا سراپا خیر خواہ ہے، اس کے اندر کی محبت و رحمت بول رہی ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ "کسی سے ملو تو خندہ پیشانی سے ملو یہ صدقہ ہے"،(۱) کسی کا دل خوش کر دینا بھی مظہر رحمت ہے، فرمایا کہ "بھلی بات کہہ دینا بھی صدقہ ہے"۔(۲)

گھر والوں کے لیے

یہ رحمت ہر ایک کے لیے ہے، بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں کہ دوسروں کے ساتھ بڑے مہربان لیکن گھر والوں کے ساتھ نہایت سخت، بات بات پر برہم ہو جانے والے، ارشاد ہوا کہ

"خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلی"(۳) (تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں)

یہ کمال رحمت ہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں پر جو بھی خرچ ہوا اس کو ثواب کی چیز بتایا، اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ وہ دینار جو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے اور وہ دینار جو کسی غلام کو آزاد کرنے میں خرچ ہو اور وہ دینار جو کسی مسکین کو دیا جائے ان میں اجر کے لحاظ سے سب سے

(۱) ترمذی: ۱۹۷۰ (۲) بخاری: ۲۹۸۹ (۳) ترمذی: ۳۸۹۵

بڑھ کر وہ دینار ہے جو گھر والوں پر خرچ کیا جائے۔ (۱) اور ایک جگہ فرمایا کہ تم جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہو اس پر تمہیں اجر ملتا ہے، یہاں تک کہ تم جو لقمہ بیوی کے منھ میں رکھو گے اس کا بھی تمہیں اجر ملے گا۔ (۲) اور ایک جگہ ارشاد ہوا کہ کسی بھی آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جن کی روزی روٹی اس کے ذمہ ہے وہ ان کی پرواہ نہ کرے اور ضائع کرے۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد بے ضرورت ادھر ادھر کی باتیں کرنے سے منع فرمایا لیکن بیوی کے ساتھ دل لگی کی باتیں کرنے کو باعث اجر قرار دیا اگر یہ کام اللہ کی رضا کے لیے ہو، یہ وہ تعلیمات رحمت ہیں جن میں انسانی نفسیات اور ضروریات کا وہ خیال رکھا گیا ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بچوں کے لیے

بچوں کے ساتھ خصوصی شفقت ورحمت کی تاکید فرمائی ارشاد ہوا:

"لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا" (٤) (جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں)

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے کیسی محبت فرماتے،

(۱) مسلم: ۹۹۵ (۲) متفق علیہ (۳) ابوداؤد: ۱۶۹۲ (۴) ترمذی: ۱۹۱۹

شفقت فرماتے ان کو گود میں بٹھاتے، ان کو چومتے اور دعا دیتے، ایک مرتبہ ایک صاحب نے فرمایا کہ میرے تو دس بیٹے ہیں میں کسی کو بوسہ نہیں لیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ کسی کے دل سے رحمت کو چھین لے تو میں کیا کر سکتا ہوں"۔(۱)

یہ انتہائی رحمت ہے کہ نماز جیسا اہتمام بالشان عمل اسلام کا سب سے پہلا فریضہ ہے جس کے بارے میں قیامت میں سے سب سے پہلا سوال ہونے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اذا أم أحدكم الناس فليخفف فان فيهم الصغير والكبير والضعيف والمريض" (۲) (تم میں جو بھی نماز پڑھائے اسے چاہیے کہ وہ نماز ہلکی پڑھائے، اس لیے کہ تم میں بچے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں، اور کمزور بھی ہیں، مریض بھی ہیں)

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھاتا ہوں درمیان میں بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ ماں کو تکلیف ہوگی، یہ اسی سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات ہیں جس نے یہ بات بھی فرمائی کہ:

"قرة عيني في الصلاة"(۳) (نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)

(۱) ترمذی:۱۹۱۱ (۲) ترمذی:۲۳۶ (۳) نسائی:۳۳۹۱

جس نے حضرت بلال سے فرمایا:

"یا بلال! أقم الصلاۃ أرحنا بھا" (۱) (اے بلال! نماز قائم کرواور میری راحت کا انتظام کرو)

عید کا دن ہے آپ گھر میں تشریف فرما ہیں، چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے احترام میں روکنا چاہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ چھوڑ دو خوشی کا دن ہے۔ (۲)

خواتین کے لیے

خواتین کے سلسلہ میں آپ کی تعلیمات وہ ہیں جنہوں نے اس صنف نازک کو عزت کے بام عروج تک پہنچایا، وہ عورت جو بعثت نبوی سے پہلے ایک جانور کا درجہ رکھتی تھی اور برسر عام اس کا سودا کیا جاتا تھا، اس دنیا کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت انسان سے گری ہوئی سمجھی جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آزادی عطا کی۔

جاہلیت میں عورت تھی ایک جانور
ٹھوکریں کھاتی پھرتی وہ در بدر
راہ و منزل سے اپنی تھی وہ بے خبر

(۱) أبوداود: ۴۹۸۵ (۲) نسائی: ۱۵۹۸

کوئی اس کا نہ تھا شام تھی بے سحر
عورتوں کو دیا حریت کا مقام
اس پر لاکھوں درود اس پر لاکھوں سلام

لیکن اس حریت کے ساتھ اس کو عزت کا غازہ بھی بخشا اس کے اندر نزاکت بھی رکھی۔

عورت کو حیاء کی چادر دی غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی اخلاق کے جوہر چمکائے

اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، ارشاد ہوا:

"استوصوا بالنساء خیرا" (۱) (عورتوں کے بارے میں بہتر سلوک کی تاکید ہے)

ایک حدیث میں فرمایا کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے وہ تمہارے لیے پوری طرح سیدھی نہیں ہو سکتی، بس تم اس سے فائدہ اٹھاؤ تو اس کی اس کمی کے ساتھ اٹھاؤ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔ (۲) ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے کامل ایمان رکھنے والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں

(۱) سنن ابن ماجۃ: ۱۸۵۱ (۲) مسلم: ۱۴۷۰

کے ساتھ سب سے بہتر ہو۔ایک مرتبہ سفر میں خواتین ساتھ تھیں سار بان خوش الحان تھا اس کی حدی خوانی سے اونٹ تیز رفتاری کے ساتھ بھاگ رہے تھے،آپ نے فرمایا:

"ویحك یا أنجشة رویدك بالقواریر" (۱) (ارے اے انجشہ! آہستہ آہستہ آبگینوں کا خیال رکھو)

یہ آپ کی سراپا رحمت تعلیمات ہی ہیں کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو ہر بھاری ذمہ داری سے سبکدوش فرمایا، اور مردوں سے یہاں تک فرمادیا کہ اس کی اصلاح میں بھی سختی نہ کی جائے ورنہ وہ ٹوٹ جائیں گی، اور اس کے حسن معاشرت کی تلقین فرمائی۔

جنگوں میں ہدایت تھی کہ عورتوں اور بچوں پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور اخیر میں آنحضور ﷺ نے جن احکامات کی تاکید فرمائی اس میں عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم اور اس کی وصیت بھی تھی۔

ماں کا درجہ آپ ﷺ نے سب سے اوپر رکھا اور جب کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول! میرے سلوک کرنے کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے باپ کا ذکر فرمایا۔(۲)

(۱) بخاری:۶۱۶۱ (۲) ابن ماجہ:۲۷۰۶

ایک روایت میں فرمایا کہ:

"الجنة تحت أقدام الأمهات" (۱) (جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے)

کمزوروں کے لیے

کمزوروں کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی ہدایات دیں، ایک جگہ فرمایا کہ جو نوجوان کسی بوڑھے کی خدمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں اس کی خدمت پر کسی کو مامور کردیتے ہیں، ایک جگہ فرمایا کہ بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا، ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ مجھے کمزوروں میں تلاش کرو، یقیناً ان ہی کمزوروں کی وجہ سے تمہاری مدد بھی ہوتی ہے اور رزق بھی ملتا ہے۔ (۲)

یتیموں کے لیے

یتیموں کے ساتھ سلوک کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص تاکید فرمائی ہے اور اس کی بڑی فضیلت ارشاد فرمائی ہے، ایک جگہ ارشاد ہوا کہ جو "یتیم کے سر پر محبت کے ساتھ ہاتھ پھیر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بالوں کی تعداد کے اعتبار سے اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے" (۳) ایک جگہ

(۱) کنز العمال: ۴۵۴۳۹ (۲) المستدرک: ۲۵۰۹ (۱) مسند احمد: ۲۲۸۰۹

فرمایا:

"أنا و كافل اليتيم فى الجنة هكذا و أشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما شيئا" (۱) (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کو الگ کیا)

ضرورت مندوں کے لیے

ضرورت مندوں کی مدد کا تذکرہ دسیوں روایات میں ملتا ہے، اور اس کی مختلف شکلیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، ایک جگہ صدقات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کام کرنے والے کی مدد کردو یا جو نہیں کر پا رہا ہے اس کا کام کردو یہ بھی صدقہ ہے، راستہ بتا دینا صدقہ ہے، اور وہ کام جو کسی کو فائدہ پہنچانے یا اس کو کسی تکلیف سے بچالے وہ بھی صدقہ ہے، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا صدقہ ہے، اور ایک مفصل حدیث میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت فرمائی جس کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں، اس میں ارشاد ہوتا ہے: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں سے سوال کرے گا کہ میں بیمار تھا تو تم نے عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا اے

(۱) صحيح البخاري: ٥٣٠٤

اللہ! میں تیری کیسے عیادت کرتا تو تو تمام جہان کا پالنے والا ہے، اللہ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے کیا تو نے اس کی عیادت کی تھی؟ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا، اسی طرح ارشاد ہوگا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانے کو مانگا تھا کیا تو نے مجھے کھانا کھلایا؟ بندہ کہے گا کہ اے رب العالمین! میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ ارشاد ہوگا: کیا تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانے کو نہیں مانگا تھا، کیا تو نے اس کو کھانا دیا؟ اگر تو نے اس کو کھانا دیا ہوتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا، اسی طرح ارشاد ہوگا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو کیا تو نے مجھے پانی پلایا؟ بندہ کہے گا کہ اے اللہ! آپ تو تمام جہانوں کے رب ہیں، میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، ارشاد ہوگا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے اس کو نہیں پلایا، اگر تو نے پلایا ہوتا تو مجھے تو اس کے پاس ہی پاتا"۔(۱)

ایک جگہ ارشاد ہوا کہ جو کسی مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف اس سے دور فرمادیں گے، کہ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا رہتا ہے۔(۲)

(۱) صحیح مسلم:۲۵۶۹ (۲) صحیح مسلم:۲۶۹۹

خادموں اور نوکروں کے لیے

"خادم، نوکر اور مزدور کے ساتھ جو اور انسانوں کی طرح انسان ہیں، اور جن کا اپنے مالک اور آقا پر احسان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے وہ اس کے علاوہ ہے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، تمہارے بھائی، تمہارے خادم اور مددگار ہیں، جس کا بھائی اس کا ماتحت ہو، اس کو چاہیے کہ جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے، جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے، ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ معاف کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستر (۷۰) مرتبہ"، وہی بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو"۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال گذارے فرماتے ہیں کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کسی کام پر جو میں نے غلطی سے کیا ہو یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور کبھی بھی اس کام پر جو مجھے کرنے کے لیے کہا گیا اور میں نہ کر سکا کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا۔(۲)

حضرت زید رضی اللہ عنہ جو غلام کی حیثیت سے آئے تھے، سب سے زیادہ محبوب قرار پائے، اور ان کے فرزند حضرت اسامہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبت تھی۔

جانوروں کے لیے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا دائرہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کل مخلوقات کو اس کا فیض پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ "فی کل کبد رطبة أجر"(۳) (ہر ذی روح کو آرام پہنچانے میں اجر ہے)

فرمایا کہ:

---

(۱) ماخوذ از: نبی رحمت: ۲۱۴ (۲) أبو داود: ۴۷۷۳ (۳) بخاری: ۲۳۶۳

"فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فأحسنوا الذبح" (۱) (جب تمہیں قتل کرنا ہی پڑے تو اچھی طرح قتل کرو، اور ذبح کرنا ہو تو اچھے طریقہ پر ذبح کرو)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ

"وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته" (۲) (تم میں جو بھی ہو وہ اپنی چھری تیز کرلے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے)

"شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو، تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے وہ اپنی چھری پہلے تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک بکری زمین میں ذبح کرنے کے لیے لٹائی، اس کے بعد چھری تیز کرنا شروع کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کو دوبار مارنا چاہتے ہو، اس کو لٹانے سے پہلے تم نے چھری تیز کیوں نہ کرلی۔

(۱) ترمذی: ۱۴۰۹ (۲) سنن الترمذی: ۱۴۰۹

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جانوروں کو چارہ پانی دینے کی ہدایت فرمائی اور ان کو پریشان کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کی ممانعت کی، اور جانوروں کی تکلیف دور کرنے اور ان کو آرام پہنچانے کو باعث اجر و ثواب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا، اور اس کے فضائل بیان فرمائے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص کہیں سفر پر تھا، راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی، سامنے ایک کنواں نظر پڑا وہ اس میں اتر گیا، جب باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے اپنے دل میں کہا کہ پیاس سے جو میرا حال ہو رہا تھا یہی اس کا بھی ہے وہ پھر کنویں میں اترا اپنے چمڑے کے موزے پانی سے بھرے، پھر اپنے دانتوں سے ان کو دبایا اور اوپر آکر کتے کو پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا، اور اس کی مغفرت فرمادی، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہائم اور جانوروں کے معاملہ میں بھی اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر اس مخلوق میں جو تر و تازہ جگر رکھتی ہے اجر ہے"۔(۱)

(۱) صحیح البخاری: ۲۳۶۳

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک عورت کو صرف اس بات پر عذاب دیا گیا کہ اس نے اپنی بلی کو کھانا پانی نہیں دیا اور نہ اس کو چھوڑا کہ وہ حشرات الارض ہی سے اپنا پیٹ بھر لے۔ (۱)

سہیل بن عمرو (اور ایک روایت میں ہے سہیل بن الربیع بن عمرو) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسے اونٹ پر ہوا جس کی پیٹھ لاغری کی وجہ سے اس کے پیٹ سے لگ گئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو، ان پر سواری کرو تو اچھی طرح ان کو ذبح کرکے، ان کا گوشت استعمال کرو تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہوں۔ (۲)

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے احاطہ میں داخل ہوئے، اس میں ایک اونٹ تھا، اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ بلبلانے لگا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب تشریف لائے اور اس کے

(۱) امام نووی بروایت مسلم (۲) ابوداؤد: ۲۵۴۹

کوہان اور کنپٹیوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، اس سے اس کو سکون ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آیا، اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ میرا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس جانور کے معاملہ میں جس مالک اللہ تعالیٰ نے تم کو بنایا ہے اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ تم اس کو تکلیف دیتے ہو اور ہر وقت کام میں لگائے رکھتے ہو۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی سرسبز جگہ جاؤ تو اونٹوں کو زمین پر ان کے حق سے محروم نہ کرو، اور اگر خشک زمین میں جاؤ تو وہاں تیز چلو، رات کو پڑاؤ ڈالنا ہو تو راستہ پر نہ ڈالو اس لیے کہ وہاں جانوروں کی آمد و رفت رہتی ہے اور کیڑے مکوڑے وہاں پناہ لیتے ہیں۔(۲)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ضرورت کے لیے وہاں سے تھوڑی دیر کے لیے

---

(۱) ایضاً۔ (۲) صحیح مسلم: ۱۹۲۶

تشریف لے گئے، اس درمیان ہم نے ایک چھوٹی چڑیا دیکھی اس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے دونوں بچے لے لیے، وہ یہ دیکھ کر اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے اس کے بچے چھین کر اس کو تکلیف پہنچائی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو بچے واپس کرو، یہاں ہم نے چیونٹیوں کی ایک آبادی دیکھی اور اس کو جلا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ سے عذاب دینے کا حق صرف آگ کے رب کو ہے"۔(۱)(۲)

رحمت کی ہمہ گیری

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا دائرہ صرف انسانوں اور پھر جانوروں تک محدود نہیں، بلکہ اس میں کل کائنات شامل ہے، آپ کی تعلیمات میں زمین کا بھی حق بتایا گیا کہ اس پر اگر کر مت چلو، اس کو بے کار مت چھوڑو، خود اگر کچھ نہیں کر سکتے تو دوسروں کو دے دو، وہ اس کو آباد کریں،(۳) فرمایا گیا کہ اگر کوئی زمین میں درخت لگا رہا ہے تو اپنا کام پورا کرے چاہے اس

(۱) ابوداؤد: ۲۶۷۳ (۲) نبی رحمت: ۶۱۱-۶۱۳ (۳) سنن النسائی: ۳۸۷۸

کا آخری وقت آ گیا ہو، مگر وہ اپنا کام نہ چھوڑے، آپ ﷺ نے ہرے بھرے درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا،(۱) اور نہ جانے کتنی وہ تعلیمات ہیں جن سے آپ ﷺ کی رحمت عامہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہزاروں ہزار درود وسلام اور رحمتیں ہوں نبی رحمۃ للعالمین ﷺ پر جن کے صدقہ میں دنیا باقی ہے، انسانیت کا بھرم قائم ہے، اور آج جو کچھ بھی دلوں میں انسانیت کا درد ہے، محبت کی کسک ہے، رحمت کے مظاہر ہیں وہ سب اسی نبی رحمت ﷺ کی اسوۂ رحمت زندگی کا نتیجہ ہے جو تمام عالم کے لیے نمونہ تھی، نمونہ ہے اور ہمیشہ نمونہ رہے گی۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

(۱) ابوداؤد: ۵۲۴۳